میراث و وصیت

کے شرعی ضوابط

ڈاکٹر عبدالحی ابڑو

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Marfat.com

میراث و وصیت

کے شرعی ضوابط

ڈاکٹر عبدالحی ابڑو

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

Marfat.com

297.34

۱۲۶۷۱۱

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

عنوان کتاب: میراث ووصیت کے شرعی ضوابط

مؤلف: ڈاکٹر عبدالحی ابڑو

نظر ثانی: حافظ احمد وقاص

ناشر: شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

اشاعت: جنوری ۲۰۱۵ء

SHARI'AH ACADEMY
International Islamic University, Faisal Masjid Campus
Islamabad Tel: +92 051 9261761 ext 289
Email: sapublication@gmail.com

کمپوزنگ: محمد آصف قریشی مطبع: یونیک ویژن۔ اسلام آباد

Marfat.com

فہرست

ابتدائیہ	۹
حصہ اول: میراث	۱۱
تعارف	۱۳
باب ۱: مختلف مذاہب اور اقوام کے ہاں احکامِ وراثت	۱۵
- یہودیت میں قوانینِ وراثت	۱۵
- وراثت نصرانیت میں	۱۶
- رومی قانونِ وراثت	۱۶
- یونانی قانونِ وراثت	۱۷
- ہندومت میں قانونِ وراثت	۱۸
- قوانین وراثت مغربی ممالک میں	۱۸
- دورِ جاہلیت میں عربوں کا نظامِ وراثت	۱۹
باب ۲: ترکہ اور علم میراث۔ چند بنیادی مباحث	۲۱
وراثت۔ تعریف اور ارکان	۲۱
- تعریف ترکہ	۲۲
- ترکہ کے سلسلے میں چند مزید صورتیں	۲۳
علم میراث / علم الفرائض	۲۸
- علم میراث کی اہمیت و فضیلت	۳۰
- علم میراث کے مآخذ	۳۱

Marfat.com

اسلام کے نظامِ وراثت کی چند اہم خصوصیات	۳۹
– مرد کا حصہ دوگنا کیوں؟	۴۱
ترکۂ میت سے وابستہ حقوق	۴۶
– تجہیز و تکفین	۴۶
– قرض کی ادائگی	۴۸
– تنفیذِ وصیت	۵۱
– وُرثا میں تقسیم	۵۱
– وُرثا کی ترتیب	۵۲
وراثت پانے کے اسباب، شرائط اور موانع	۵۶
– وراثت کے اسباب	۵۶
– وراثت کے شرائط	۵۷
– وراثت کے موانع	۵۸
باب۳: ذوی الفروض	۶۵
– نقشہ اول: حصص اور مستحقین	۶۷
– نقشہ دوم: حالات ذوی الفروض و شرائط استحقاق	۶۷
باب۴: عصبات	۷۳
عصبات کی قسمیں	۷۴
– عصبہ بالنفس	۷۴
– عصبہ بالغیر	۷۶
• اولادِ میت کے احکام	۷۷
– عصبہ مع الغیر	۸۰

Marfat.com

مسئلہ مشترکہ / حماریہ	۸۱
یتیم پوتے کی وراثت	۸۳
باب۵: دادا کا میت کے حقیقی یا علاتی بہن بھائیوں کے ساتھ حصہ	۸۹
– میت کے حقیقی یا علاتی بھائی اور دادا	۹۱
– مقاسمۃ الجد میں طریق توریث	۹۳
باب۶: حَجب	۹۷
– حجب کی اقسام	۹۷
– حجبِ نقصان	۹۷
– حجبِ حرمان	۹۸
– ممنوع اور محجوب میں فرق	۹۸
باب۷: وُرثا کے حصوں کے عددی اصول	۱۰۳
باب۸: عول	۱۰۹
– اصطلاحی معنٰی	۱۰۹
– عول کی ابتدا	۱۱۰
– عول کی صورتیں اور طریقہ	۱۱۰
باب۹: ردّ	۱۱۳
– معنٰی و مفہوم	۱۱۳
– رد کی صورتیں	۱۱۳
– رد کے قواعد	۱۱۴
باب۱۰: ذوی الارحام	۱۲۱
– معنٰی و مفہوم	۱۲۱

Marfat.com

– ذوی الارحام کے اصناف	۱۲۱
– ذوی الارحام کے درمیان ترکے کی تقسیم	۱۲۲
• اہل التنزیل کا نقطۂ نظر	۱۲۷
باب ۱۱: تقسیم ترکہ کی خصوصی صورتیں	۱۲۹
– حمل	۱۲۹
– خُنثیٰ	۱۳۳
– مفقود الخبر	۱۳۵
– ولد الزنا	۱۳۶
احکام وراثت۔ جعفری نقطۂ نظر	۱۳۷
پاکستان میں وراثت سے متعلق قوانین	۱۳۹
ضمیمہ: نقشہ ذوی الفروض (انگریزی)	۱۴۳
حصہ دوم: وصیت	۱۴۷
باب ۱: تمہیدی مباحث	۱۴۹
– تاریخی تناظر	۱۴۹
– وصیت اسلام میں	۱۴۹
– تعریف	۱۵۰
– مشروعیت	۱۵۲
– حکمت	۱۵۶
– مطلق اور مقید وصیت	۱۵۶
باب ۲: وصیت کا حکم شرعی اور اقسام	۱۵۹

Marfat.com

- حکم شرعی کے لحاظ سے وصیت کی اقسام ۱۶۰
• وصیت واجبہ اور یتیم پوتے کی وراثت ۱۶۶
• پاکستان میں قانونی صورت حال ۱۶۸
باب ۳: وصیت کے ارکان ۱۷۳
- وصیت کرنے کے طریقے (الفاظ۔ تحریر۔ اشارہ) ۱۷۵
- موصیٰ لہ کے ردو قبول کا مسئلہ ۱۷۶
باب ۴: وصیت کے شرائط ۱۸۱
- موصی کے شرائط ۱۸۱
• مختلف لوگوں کی وصیت کی شرعی حیثیت ۱۸۴
▪ قرض دار کی وصیت ۱۸۴
▪ غیر مسلم کی وصیت ۱۸۵
- موصیٰ لہ کے شرائط ۱۸۷
• حمل کے بارے میں وصیت ۱۸۸
- موصیٰ بہ کے شرائط ۱۹۶
• مال و جائداد کی منفعت کے بارے میں وصیت ۱۹۷
• ایک تہائی مال اور وصیت ۲۰۷
باب ۵: وصیت کے باطل ہو جانے کے اسباب ۲۱۱
- موصی کو جنون طاری ہو جانا ۲۱۱
- موصی کا مرتد ہو جانا ۲۱۲
- شرط کا پورا نہ ہونا ۲۱۲
- وصیت سے رجوع ۲۱۲

Marfat.com

- وصیت کورد کر دینا ۲۱۵
- موصی سے قبل موصیٰ لہ کی وفات ۲۱۵
- موصیٰ لہ کا موصی کو قتل کر دینا ۲۱۶
- موصیٰ بہ ہلاک یا ختم ہو جانا ۲۱۶

باب ٦: احکام موصیٰ الیہ (وصی) ۲۱۷
- تعریف اور تقرر ۲۱۷
- وصی کا قبول یا رد کرنا ۲۱۸
- کس کو وصی مقرر کیا جا سکتا ہے ۲۱۹
- وصی کی اقسام ۲۱۹
- وصی کی معزولی ۲۲۱
- وصی کا حق اجرت ۲۲۲

اہم مصادر و مراجع ۲۲۵

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

اسلامی فقہ میں فن میراث کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں احکام بیان کرنے کے اپنے عمومی اسلوب سے ہٹ کر میراث کے مسائل کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی میراث کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر متعدد مواقع پر اس کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب دی؛ بلکہ جہاں قرآن سیکھنے کا حکم دیا، اسی جملے میں میراث کے احکام سیکھنے پر زور دیا ہے۔ سلف صالحین کے ہاں یہ معمول رہا کہ کسی طالب علم کو اس وقت تک حدیث کے درس میں نہیں بیٹھنے دیا جاتا تھا جب تک وہ قرآن کریم حفظ اور میراث کے مسائل کو ازبر نہ کرلیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم میراث اور ترکہ ایسی چیز ہے جس سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا ہے؛ پھر اس کا تعلق لوگوں کے مالی حقوق کے ساتھ ہے؛ اور اس بات کا قوی امکان ہو سکتا ہے کہ بندہ ناواقفیت کی وجہ سے مرنے سے پہلے کوئی ایسی وصیت کر جائے جس میں ورثا کی حق تلفی یا ان کے ساتھ ناانصافی برتی گئی ہو؛ یا کسی وارث کو ترکے سے سرے سے محروم ہی کر دے۔

میراث کے احکام چونکہ ایک گونہ پیچیدہ اور قدرے دقیق ہوتے ہیں، اس لیے ان کے پیش کرنے کا اسلوب جس قدر آسان، سادہ اور سلیس ہو، اسی قدر زیادہ استفادے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ حالیہ عرصے میں ہمارے ہاں مواریث پر اردو زبان میں جو لٹریچر سامنے آیا ہے اس کے اسلوبِ بیان میں پیچیدگی اور قدیم طرزِ تفہیم کی وجہ سے طلبہ اور عام افراد کے لیے احکام کو ذہن نشین کرنا کافی مشکل ہے جو غیر معمولی دلچسپی اور محنت کے بغیر ممکن نہیں۔ دوسرے یہ کہ عام طور پر میراث کے تمام مباحث بیان نہیں کیے جاتے۔ بازار میں میراث کی مشہور درسی کتاب سراجیہ کی متعدد اردو شروح تو دستیاب ہیں؛ لیکن لوگوں کی

Marfat.com

ضرورت اس سے مختلف ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ میراث کے احکام پر مشتمل ایک ایسی جامع اور عام فہم کتاب ہو جس میں میراث کے تمام مشکل اور دقیق مباحث کو مروجہ اسلوب کے مطابق خوبی سے آسان زبان میں بیان کیا گیا ہو۔

زیر نظر کتاب اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ کتاب کے مؤلف گزشتہ تیس سال سے اسلامی فقہ کے استاد اور محقق کے طور پر یونیورسٹی میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ فقہ الأسرہ کا ایک حصہ ہونے کے ناطے علم میراث مؤلف کی خصوصی دلچسپی کا موضوع ہے۔ یہ کتاب مؤلف کے برسوں کے تدریسی تجربے کا نچوڑ قرار دی جاسکتی ہے، جس میں طلبہ کی نفسیات اور رائج محاورے کو سامنے رکھتے ہوئے نقشوں اور جداول کی مدد سے میراث کے جملہ مباحث کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں میراث کے مباحث جس میں اسلام کے تصورِ میراث کا دیگر ادیان و مذاہب کے تصور میراث کے ساتھ تقابلی جائزے، وراثت کے اسباب وموانع، ذوی الفروض، عصبات، دادا کا حصہ، حجب، ورثا کے عددی اصول، عول، رد اور ذوی الارحام وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حصہ دوئم وصیت کے احکام پر مشتمل ہے جس میں وصیت کے تمام پہلوؤں کا اختصار اور مناسب تفصیل کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے۔

ماضیِ قریب میں وصیت اور میراث کے بعض معرکہ آرا سمجھے جانے والے مسائل: مثلاً مرد کا دو گنا حصہ، یتیم پوتے کی وراثت وغیرہ کو شافی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز وراثت سے متعلق ملک میں مروجہ قوانین اور اہل تشیع کا نقطۂ نظر بھی سامنے لایا گیا ہے۔

امید ہے یہ کاوش مدارس و جامعات کے طلبہ، علمائے کرام، ارکانِ عدلیہ و قانون اور میراث سے دل چسپی رکھنے والے قارئین کے لیے مفید، اور تعلیمی اداروں کے نصابِ میراث کے لیے ایک موزوں انتخاب ثابت ہوگی۔ واللہ وليّ التوفيق والقبول.

شعبۂ تحقیق و مطبوعات

Marfat.com

حصہ اول

میراث

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

زندگی کے مسائل میں ایک اہم مسئلہ مرنے والے کے مال و جائداد کی تقسیم یعنی وراثت کا ہے۔ اس مسئلے میں انسانیت ہمیشہ افراط و تفریط میں مبتلا رہی ہے۔ اسلام نے اس مسئلے میں بھی ایک جچا تلا اور عدل و انصاف پر مبنی قانون اور لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ آج دنیا کے اکثر ممالک، سرمایہ داری کے تباہ کن اثرات کا رونا رو رہے ہیں، اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دولت کو چند مخصوص ہاتھوں میں سمٹنے سے کس طرح روکا جائے۔ اشتراکی نظام نے اس کا ایک علاج تجویز کیا، لیکن وہ دوسری انتہا کو پہنچ گئے اور فرد کی ذاتی ملکیت ہی کو ختم کر کے اسٹیٹ کو "سرمایہ دار اعظم" بنا کر بدنام زمانہ سرمایہ داری کے سارے نقائص اس میں سمو دیے۔ دراصل اس افراط و تفریط کے بین بین ہی کوئی راستہ ان الجھنوں سے نجات دلا سکتا ہے اور وہ ہے اسلام کا راستہ۔ اسلام کا معاشی نظام نہ تو فرد کی ملکیت کو ختم کرتا ہے اور نہ ہی اس کا موقع دیتا ہے کہ دولت کا ایک جگہ ارتکاز ہو سکے۔ جائز اور حلال طریقے سے دولت کمانے کی پابندی، دولت خرچ کرنے کی حدود کا تعین، حقوق العباد کی ادائگی، زکاۃ وصدقات کا التزام اور تقسیم میراث وہ توازن قائم کرتے ہیں جو دولت کی صحیح تقسیم کے لیے ضروری ہے۔ صرف تقسیم میراث ہی کے اصولوں کو لیجیے؛ ان کی پابندی کرنے سے ہر فرد کی وفات پر اس کا ترکہ متعدد افراد میں تقسیم ہو جاتا ہے اور اس طرح دولت گردش میں رہتی ہے۔ یہ اصول اسلام میں ایک مستقل فن اور علم کی حیثیت رکھتے ہیں جسے "علم الفرائض" یا "علم میراث" کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱

مختلف مذاہب اور اقوام کے ہاں احکامِ وراثت

وراثت کے سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر بیان کرنے سے پہلے دیگر مذاہب اور قوموں کے نظریے کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ تقابل میں آسانی ہو۔ ان شاء اللہ اس سے اسلامی شریعت کا اعتدال اور توازن نمایاں ہوگا۔

یہودیت میں قوانین وراثت

یہودیوں کے ہاں وراثت کا حق دار صرف لڑکا ہوتا ہے، اس کی موجودگی میں نہ تو میت کے والدین کا کوئی حصہ ہے اور نہ بیٹی کا؛ بیوی اور شوہر کا اور دیگر رشتے داروں کا بھی کوئی حصہ نہیں۔ بیوہ اور بیٹیاں اولادِ نرینہ کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں، البتہ لڑکی اگر نابالغ ہو تو بارہ سال کی عمر تک وہ باپ کے ترکے میں سے اپنا خرچہ لے سکتی ہے، اس کے بعد اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔ بیوہ بہر صورت میراث سے محروم ہوتی ہے اور ایک بوجھ سمجھی جاتی ہے۔

لڑکا ہر حالت میں میراث کا حق دار ہوتا ہے، چاہے وہ نکاح کے ذریعے وجود میں آیا ہو یا بدکاری کا نتیجہ ہو؛ نیز سب سے بڑا لڑکا دوگنا حصہ پاتا ہے خواہ وہ ناجائز نطفہ ہو۔ بیٹے، پوتے وغیرہ کی موجودگی میں لڑکیاں میراث پاتی ہیں اور وہ نہ ہوں تو ان کی اولاد۔ لڑکے، لڑکیاں، پوتے، نواسے وغیرہ میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ترکے کا مستحق باپ ہوتا ہے، اور اس کی غیر موجودگی میں دادا اور اس کے بعد بھائی اور چچا وغیرہ۔

کسی یہودی عورت کا انتقال ہو اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو شوہر اس کا وارث ہوتا ہے۔ اولادِ نرینہ کے ہوتے ہوئے اسے کسی بھی طرح کی وصیت کا حق نہیں ہوتا، لیکن اگر وارث لڑکیاں ہوں تو جسے چاہے اور جتنا چاہے وصیت کر سکتی ہے۔

Marfat.com

کوئی بت پرست یہودی مذہب اختیار کرلے تو اس کی وفات کے بعد غیر یہودی رشتہ دار اس کے وارث نہ ہوں گے، البتہ کوئی بت پرست وفات پاجائے تو یہودی اس کا وارث ہوگا اور اگر کوئی یہودی بت پرست وغیرہ ہوجائے تو یہ اپنے یہودی رشتہ داروں کے ترکہ سے محروم ہوگا، اور یہودی رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے۔

وراثت نصرانیت میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے، بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی پر عامل تھے، وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں شریعتِ موسوی کو ختم کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس کی تکمیل کے لیے آیا ہوں، اس لیے ظاہر ہے کہ وراثت کے سلسلے میں مسیحیت کا بھی وہی نقطۂ نظر ہے جو اوپر تورات کے حوالے سے مذکور ہوا، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھالیے جانے کے بائیس سال بعد مسیحیت نے تورات کے تمام احکامات پر خطِ نسخ پھیر دیا۔ اس لیے اب ان کے یہاں اس پر عمل نہیں ہے، بلکہ مختلف فرقوں کے یہاں وراثت کے سلسلے میں الگ الگ احکام ملتے ہیں، جن میں سے بیشتر احکام رومی یا یونانی قانون سے ماخوذ ہیں۔

رومی قانونِ وراثت

رومی قانونِ وراثت میں مختلف اوقات میں متعدد تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ ابتدا میں وراثت کو وصیت سے متعلق کیا گیا کہ مورّث جس شخص کے لیے وصیت کرجائے وہی اس کے تمام مال کا وارث ہوگا۔ بعد ازاں بادشاہ گسٹنیانوس (م۵۶۳ء) نے قانونِ وراثت میں کچھ بنیادی تبدیلیاں کیں اور وراثت کی بنیاد قرابت پر رکھی، نیز قریب ترین وارث کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو محروم قرار دیا، استحقاق وراثت میں مرد و عورت کے درمیان تفریق کو ختم کیا اور وارثوں کے مختلف طبقے قرار دیے۔ اس کی رو سے پہلا طبقہ، فروع یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ان کی نسل سے اگر کوئی

Marfat.com

موجود ہے تو دوسرا وراثت کا حق دار نہ ہو گا اور ان کی غیر موجودگی میں دوسرے طبقے یعنی اصول کے درمیان ترکہ تقسیم ہو گا، جن میں باپ، دادا، بھائی وغیرہ شامل ہیں۔

قابل ذکر یہ ہے کہ اگر دادا کے ساتھ حقیقی بھائی موجود ہے تو وہ محروم نہ ہو گا، بلکہ برابر کا حق دار ہو گا، ایسے ہی پوتا بھی محروم نہیں ہوتا بلکہ دادا کے مرنے کے بعد وہ اپنے چچا کے ساتھ برابر کا حصے دار ہوتا ہے۔

اصول و فروع اور حقیقی بھائی موجود نہ ہوں تو یہ حق ماں شریک یا باپ شریک بھائی کو ملتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں دیگر رشتہ داروں میں برابر تقسیم کیا جائے گا، اس طور پر کہ قریب ترین رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار محروم ہو گا۔

میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے ترکے سے مکمل طور پر محروم ہو گا کیونکہ ان کے یہاں وراثت کی بنیاد قرابت پر ہے۔

یونانی قانونِ وراثت

اہل یونان کے یہاں بھی ابتداءً وراثت کو وصیت سے متعلق رکھا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی ہی میں کسی کے حق میں وصیت کر جائے اور موت کے بعد تمام ترکہ وصیت کردہ شخص کی طرف منتقل ہو جاتا تھا، بعد میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں اور قرابت کو بنیاد قرار دیا گیا، تاہم اولادِ نرینہ کی موجودگی میں کسی عورت کا کوئی حصہ نہ تھا، بیٹی وغیرہ وراثت کی حق دار اس وقت ہوتی جبکہ کوئی مرد وارث موجود نہ ہوتا۔ ان میں یہ بھی رواج تھا کہ نکاح کے وقت بیٹی کو "دوملہ" (جہیز) کے نام سے گھریلو استعمال کی چیزیں دے دیا کرتے تھے اور یہی ان کی محرومی کا عوض ہوتا تھا۔

اولاد نرینہ کی غیر موجودگی میں بیٹی اپنے باپ کے مال کی نگراں ہوتی تھی اور شادی کے بعد اس کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہو جائے تو قانونی طور سے وہ مجبور تھی کہ اس لڑکے کو اپنے باپ

Marfat.com

کی طرف منسوب کرے اور ترکہ اس کے نام کردے، گویا کہ عورت میراث کو صرف منتقل کرنے والی ہوتی، وہ کسی چیز کی مالک نہیں بن سکتی تھی۔

ہندومت میں قانونِ وراثت

ہندو قانونِ وراثت میں عورتوں کے لیے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں ہے، نیز تمام چیزوں کا مالک صرف بڑا لڑکا ہوتا ہے اور دوسرے سب محروم۔

قوانین وراثت مغربی ممالک میں

بعض ملکوں میں وراثت سے متعلق جو قوانین نافذ ہیں وہ یونانی اور رومی قانون کا چربہ ہیں۔ یہ سب انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں، جن میں اکثر و بیشتر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، چنانچہ فرانسیسی قانون میں میت کی اولاد، ان کی غیر موجودگی میں اس کے باپ، دادا، پھر بھائی اور چچا کو وراثت کا حق دار قرار دیا گیا ہے اور ان سب کی غیر موجودگی میں غیر قانونی لڑکا حصہ دار ہوتا ہے۔ بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں باپ اور دادا محروم ہوجاتے ہیں اور اگر کوئی بیٹا وفات پاجائے تو دوسرے موجود بیٹوں کے ساتھ پوتا بھی دادا کی میراث کا حق دار ہوتا ہے۔

جرمن قانون کے لحاظ سے وراثت کی بنیاد قرابت اور زوجیت پر ہے، فرع کی موجودگی میں زن و شو میں سے ہر ایک کا حصہ چوتھائی ہے اور فرع کے نہ ہونے کی صورت میں آدھا، اور اصول و فروع میں سے کوئی موجود نہ ہو تو شوہر پورے ترکے کا حق دار ہوتا ہے۔

انگریزی قانون میں بیٹے کے ہوتے ہوئے بیٹی محروم ہوتی ہے، نیز پہلوٹا سب پر مقدم ہوتا ہے اور اولادِ نرینہ کی غیر موجودگی میں بیٹی وارث ہوتی ہے۔

روس میں جب کمیونزم برسرِ اقتدار ہوا تو شروع میں وراثت کا کوئی تصور ہی نہ تھا کہ فرد کسی چیز کا مالک نہ تھا، ہر چیز پر حکومت کی ملکیت ہوتی تھی، بعد میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ۱۹۴۵ء میں تین طرح کے لوگوں کو وارث قرار دیا گیا:

۱۔ اولاد، میاں بیوی

Marfat.com

۲۔ والدین اور منہ بولا بیٹا

۳۔ بھائی بہن

ان میں سے قریب ترین کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو محروم قرار دیا گیا۔

امریکہ اور یورپ کے دیگر ملکوں میں اس وقت جو قانونِ وراثت رائج ہے اس کا ذکر تفصیل طلب ہے۔ صرف اتنا اشارہ کیا جارہا ہے کہ ان میں رومی اور یونانی روح کار فرما ہے، گو بعض جزئیات اور تفصیلات میں اختلاف ہے۔ *

دور جاہلیت میں عربوں کا نظام وراثت

اسلام سے قبل اہل عرب مختلف قبیلوں اور طبقوں میں بٹے ہوئے تھے، جن میں باہم آویزش اور کشمکش رہتی تھی اور وہ ایک دوسرے سے ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے، اس لیے وہ تمام معاملات کو اسی کے پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ وراثت میں ان کے ہاں چھوٹے بچوں اور عورتوں کا کوئی حصہ نہ تھا کہ یہ لوگ جنگی صلاحیتوں سے محروم تھے اور اپنے قبیلے کی طرف سے دفاع نہیں کرسکتے تھے، اور دشمنوں سے مال غنیمت حاصل نہیں کرسکتے تھے۔

ان کے ہاں میراث پانے کے درج ذیل چار اسباب تھے:

۱۔ **قرابت اور نسبی تعلق:** اس کے تحت ترکہ کا سب سے پہلا حق دار بڑا بیٹا تھا، اس کے ہوتے ہوئے کوئی اور وارث نہیں ہوسکتا تھا، لیکن اس کے لیے شرط یہ تھی کہ وارث بالغ اور جنگی صلاحیت کا حامل ہو۔ اس کے بعد پوتا، پھر باپ، دادا اور ان کے بعد بھائی اور چچا وغیرہ کا حق تھا۔

---

* سباعی، ڈاکٹر مصطفی، هذا هو الاسلام ۱: ۳۳؛ ابو الیقظان عطیہ، حکم المیراث فی الشریعة الإسلامیه، ص ۱۱،

۲۲۔ دیکھیے: مولانا ولی اللہ مجید قاسمی کا مضمون "اسلام کا نظام وراثت" مشمولہ سہ ماہی "تحقیقات اسلامی" علی گڑھ، جلد ۲۱، شمارہ ۳، جولائی ستمبر ۲۰۰۲ء، ص ۷۵-۷۹

Marfat.com

۲۔ وَلاء: اسی جنگ و جدال کی وجہ سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے اور ایک شخص دوسرے شخص سے باہم مدد اور نصرت کا معاہدہ کرتا تھا جسے "وَلاء" کہا جاتا ہے اور قریبی وارث کی موجودگی میں بھی یہ شخص وارث ہوتا تھا۔

۳۔ تبنّی: سابقہ اقوام اور مذاہب میں لے پالک بیٹے کا رواج تھا اور اب بھی بہت سے معاشروں میں باقی ہے، کہ لوگ دوسروں کے بچے کو گود لیتے ہیں جسے حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا ہے اور جائداد کا وارث بھی ہوتا ہے۔ عربوں میں بھی یہ طریقہ رائج تھا یہاں تک کہ اسلام نے آکر اس غیر فطری طریقے کو ختم کیا۔ اسلام میں لے پالک کے لیے وراثت میں کوئی حصہ نہیں رکھا گیا، البتہ اگر مرنے والا چاہے تو اس کے لیے ایک تہائی وصیت کرسکتا ہے۔

۴۔ عہد و پیمان: بعض اوقات دو افراد، جن کی آپس میں کوئی نسبی قرابت نہیں ہوتی تھی، وہ باہم معاہدہ (حِلف) کرلیتے تھے کہ ہمارے درمیان بھائی چارہ ہے۔ اگر دونوں میں سے کسی پر کوئی مشکل پڑ جائے، یا مالی ذمہ داری (دیت، تاوان وغیرہ) یا کوئی اور اُفتاد آپڑے، تو دوسرا بوجھ اٹھانے میں اس کا شریک و سہیم ہوا کرتا تھا۔ ایسے دونوں افراد ایک دوسرے کی وراثت میں بھی حصہ پاتے تھے۔ ابتدائے اسلام میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾ [النساء۴: ۳۳] (اور جن لوگوں سے تم عہد کرچکے ہو، ان کو بھی ان کا حصہ دو)، مگر بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا، اور ارشاد ہوا: ﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللهِ﴾ [الانفال۸: ۷۵؛ الاحزاب۳۳: ۶] (رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں)۔

Marfat.com

باب ۲

ترکہ اور علم میراث۔ چند بنیادی مباحث

وراثت۔ تعریف اور ارکان

وراثت کا لغوی معنیٰ کسی چیز کا ایک شخص سے دوسرے شخص یا ایک گروہ سے دوسرے گروہ کی طرف منتقل ہونا ہے۔ عام طور پر یہ منتقلی مال، علم یا شرف و فضیلت کے لیے استعمال ہوتی ہے، جبکہ قانونی اصطلاح کے طور پر وراثت ایک غیر اختیاری انتقالِ ملکیت ہے جس کے ذریعے متوفیٰ کا ترکہ اس کے زندہ وارثوں کی طرف بطریقِ خلافت (جانشینی) منتقل ہوتا ہے۔

وراثت کے درج ذیل تین ارکان ہیں:

۱۔ مُورّث ۲۔ وارث ۳۔ ترکہ (محلِ وراثت)

۱۔ مُورّث

وراثت کا استحقاق اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ حقیقتاً، تقدیراً یا حکماً مورث کی موت واقع ہو چکی ہو۔ حقیقتاً موت یہ ہے کہ مورث کی روح یقینی طور پر اس کے جسم سے نکل چکی ہو۔ تقدیراً موت یہ ہے کہ میت کو زندہ تصور کرتے ہوئے اس کے بعد حقیقی موت واقع قرار دی جائے، مثلاً جنین (رحم مادر میں بچہ) کسی جنایت (دست اندازی) کے نتیجے میں ماں کے پیٹ سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔ حکماً موت یہ ہے کہ حقیقی زندگی کو حکمِ شرعی کے تحت منقطع قرار دیا جائے، مثلاً حاکم نے مفقود الخبر (لاپتا ہو جانے والے) شخص کے بارے میں اس کی موت کا فیصلہ دے دیا ہو، یا مرتد کو ارتداد کے وقت سے مردہ قرار دے دیا جائے۔

Marfat.com

۲۔ وارث

وراثت کا دوسرا رکن "وارث" ہے۔ مورّث کی موت کے ساتھ ہی وارث کی حیات کا تعین ضروری ہے۔ خواہ وہ حقیقتاً زندہ ہو یا تقدیراً زندہ تصور کرلیا گیا ہو، جیسے وہ بچہ جو رحم مادر میں ہو۔ چنانچہ حمل کی میراث اس کو زندہ تصور کر کے علیحدہ رکھ دی جائے گی اور اس کے زندہ پیدا ہونے کے بعد اس کی ملکیت قرار پائے گی۔ ایسی صورتوں میں جہاں مورّث کے مرنے کے ساتھ وارث کے زندہ ہونے کا پتانہ چل سکے ان کا باہم توارث نہ ہوگا، جیسا کہ ایک ساتھ ڈوب کر مرجانے والے، جل کر مرجانے والے، عمارت میں دب کر مرجانے والے۔

۳۔ ترکہ

وراثت کا تیسرا رکن "ترکہ" (محل وراثت) ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

تعریفِ ترکہ

ترکہ کا لفظ ترك سے مشتق ہے اور یہ متروك (چھوڑی ہوئی چیز) کے معنیٰ میں ہے۔

علم میراث کی اصطلاح میں "ترکہ" وہ مال ہے جو میت (مورّث) اپنے بعد اپنے شرعی مملوکات کی شکل میں چھوڑ جائے۔ کسی شخص کی وفات کے وقت اس کی تمام جائداد، منقولہ (جیسے گاڑیاں، مال مویشی، گھریلو سامان اور نقد رقوم وغیرہ) اور غیر منقولہ (زرعی، رہائشی مکانات، فیکٹری وغیرہ) جو شرعاً اس کی ملکیت میں ہو، خواہ اس کے قبضے میں ہو یا دوسروں کے ذمے واجب الادا ہو، میت کا ترکہ کہلاتی ہے۔ چنانچہ ہر قسم کا مال وملکیت، رہن رکھی گئی کوئی چیز، معاہدۂ بیع کے خیارات (جیسے خیارِ عیب، خیارِ تعیین)، حق شفعہ، متوفی کا کسی کے ذمہ واجب الادا قرضہ وغیرہ

۱۲۶۷۱۱

Marfat.com

سب ترکے میں شامل ہوں گے۔ اسی طرح ترکے میں علمی وِرثہ یعنی کتابوں، فارمولوں اور ایجادات وغیرہ کی رائلٹی بھی شامل ہے اور تمام شرعی وُرثا کا اس میں حق ہو گا۔*

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اسلام میں ترکہ کے لحاظ سے خاندانی یا ذاتی مال میں کوئی تقسیم روا نہیں رکھی گئی۔ انسان کے مرنے کے وقت وہ سارا مال جو اس کی ملکیت میں ہو ترکہ شمار ہو گا چاہے وہ اسے خاندان کی طرف سے وراثت کے ذریعے منتقل ہوا ہو یا اس نے خود حاصل کیا ہو۔

ترکے میں وہ مال شامل ہوتا ہے جو میت اپنے بعد چھوڑ جائے اور کسی دوسرے متعین شخص کا اصل متروکہ شے کے ساتھ کوئی حق متعلق نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس مال سے متعین طور پر کسی غیر کا حق متعلق ہو (جیسے رہن رکھی گئی کوئی چیز)، وہ مال اس وقت تک ترکے میں داخل نہ ہو گا جب تک کہ اس دوسرے شخص کا حق ادا نہ کر دیا جائے۔

ترکہ کے سلسلے میں چند مزید صورتیں

۱۔ ایسا مال جو میت کو حاصل ہوا ہو مگر شریعت نے اس پر مال ہونے کا حکم نہ لگایا ہو، وہ شرعاً ترکہ شمار نہ ہو گا، جیسے ذخیرۂ شراب۔

۲۔ جو مال میت نے کسی دوسرے کا غصب کیا ہو، یا چوری یا خیانت کے ذریعے حاصل کیا ہو، وہ اس کا ترکہ شمار نہ ہو گا، کیونکہ شریعت نے اس پر میت کی جائز ملک ہونے کا حکم نہیں لگایا۔ اگر وُرثا نے ایسے مال کو آپس میں تقسیم کر لیا تو وہ اس کے خود ذمہ دار ہوں گے اور اللہ کے نزدیک گناہ گار ہوں گے۔ جس طرح میت سے ایسے مال کو اس حالت پر چھوڑ جانے پر مواخذہ ہو گا، اسی طرح وُرثا سے ایسے مال کو مالکوں کو نہ پہنچانے اور میت کا مال سمجھ کر تقسیم کر لینے میں مواخذہ ہو گا۔

---

* ملاحظہ ہو: شہرانی، حسین بن معلوی، حقوق الاختراع والتألیف فی الفقه الإسلامي، دار طيبه، الرياض ۲۰۰۴ء، ص ۳۶۸؛ ویمن ایڈ ٹرسٹ، پاکستان: وراثت کی تقسیم۔ کیا، کیوں اور کیسے؟ ۲۰۱۱ء، ص ۲

Marfat.com

۳۔ جو چیز میت نے خریدی تھی لیکن قیمت ادا کر کے اس کو اپنی تحویل (قبضہ) میں نہ لیا تھا، وہ چیز ترکہ میں داخل نہ ہوگی۔ البتہ اگر میت نے اس چیز کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا مگر قیمت ہنوز ادا نہ کی تھی تو وہ چیز میت کے ترکے میں داخل ہوگی اور اس چیز کی قیمت میت کے مجموعی ترکے پر قرض (دَین) ہوگی جو بقاعدہ قرض (دَین) ادا کی جائے گی۔

۴۔ اگر میت کی کوئی چیز یا جائداد کسی کے پاس رہن ہو اور میت نے اس قدر مال نہ چھوڑا ہو کہ زرِ رہن ادا کر کے اس چیز یا جائداد مرہونہ کا انفکاکِ رہن کرایا (رہن چھڑایا) جا سکے تو وہ چیز یا جائداد میت کے ترکہ میں داخل نہ ہوگی، البتہ مرتہن (mortgagee) کے پاس اس چیز یا جائداد کو فروخت کر دینے کے بعد اگر کوئی رقم باقی بچے تو وہ ترکہ شمار ہوگی۔

۵۔ **بینوویلنٹ فنڈ اور گروپ انشورنس کی رقوم:** حکومت نے سرکاری ملازمین کی فلاح و بہبود کے لیے، بینوویلنٹ فنڈ کے نام سے ایک مستقل فنڈ قائم کیا ہے اور ہر سرکاری ملازم کی تنخواہ سے کچھ رقم کاٹ کر اس فنڈ میں جمع کرائی جاتی ہے۔ مرکزی حکومت، سرکاری و نجی ادارے اور عام افراد بھی اس میں عطیات جمع کرا سکتے ہیں۔ اس فنڈ کو عام طور پر منافع بخش اسکیموں میں بھی لگایا جاتا ہے۔ اس فنڈ کا بنیادی مقصد دوران ملازمت جسمانی یا ذہنی معذوری کے سبب ملازمت سے فارغ کیے جانے والے یا وفات پا جانے والے سرکاری ملازمین اور ان کے اہل خانہ کی فلاح و بہبود ہے اور انہیں ایک خاص مدت تک اس فنڈ میں سے کچھ رقم ماہانہ ادا کی جاتی ہے۔ یہ فنڈ ملازمین کی شخصی اور اجتماعی ملکیت نہیں ہے اور نہ ہی کسی ملازم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر صورت میں اس فنڈ سے کوئی حصہ وصول کرے۔ اگر کوئی ملازم ریٹائرڈ ہونے کے بعد ذہنی یا جسمانی طور پر معذور ہوتا ہے یا وفات پا جاتا ہے تو وہ یا اس کے اہل خانہ کسی صورت بھی اس فنڈ میں سے کوئی پیسہ وصول کرنے کے حق دار نہیں ہوتے۔

اس بحث کی روشنی میں اس فنڈ کو کسی ملازم کا ترکہ کہنا درست نہیں ہے؛ اسی لیے یہ فنڈ متوفی کے قانونی وُرثا کو نہیں بلکہ اس کے اہل خانہ کو دیا جاتا ہے۔ اہل خانہ کی تعریف میں

Marfat.com

متوفیٰ کی بیوی، اگر ملازم خاتون ہوں تو اس کا شوہر، اور متوفیٰ کی اولاد شامل ہے۔ اس کے علاوہ متوفیٰ کے زیرِ کفالت والدین، بھائی، بہنیں (غیر شادی شدہ، مطلقہ، بیوہ) بھی اہل خانہ میں شمار ہوتے ہیں۔

اسی طرح حکومت ہر سرکاری ملازم کی انشورنس کسی انشورنس کمپنی کے ساتھ مل کر کراتی ہے، اور اس ملازم کی تنخواہ میں سے بطور عطیہ ماہانہ قسط کاٹ کر اس انشورنس کمپنی کو جمع کرائی جاتی ہے؛ اسے گروپ انشورنس کہتے ہیں۔ اس کا مصرف بھی وہی ہے جو بینوویلنٹ فنڈ کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سرکاری ملازم کا انتقال چاہے دوران ملازمت ہوا ہو یا ریٹائرمنٹ کے بعد، اس کے اہل خانہ ہر حال میں گروپ انشورنس کی رقم کے حق دار ہوتے ہیں۔ نیز یہ رقم انہیں ماہانہ کے بجائے یک مشت ادا کر دی جاتی ہے۔ تاہم یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ یہ کوئی ایسی رقم نہیں جس کا سرکاری ملازم اپنی زندگی میں حق دار ہو گیا ہو اور اسے اپنی زندگی میں وصول کر سکتا ہو بلکہ یہ رقم بھی دراصل مرنے کے بعد اس کے اہل خانہ کو ایک امدادی عطیے کے طور پر دی جاتی ہے جسے متوفیٰ کا ترکہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔*

۶۔ **پراویڈینٹ فنڈ:** پراویڈینٹ فنڈ ایکٹ ۱۹۲۵ء کے تحت ہر سرکاری ملازم کی ماہانہ تنخواہ میں سے کچھ رقم منہا کر کے محکمہ اپنے پاس جمع کرتا رہتا ہے جسے پراویڈینٹ فنڈ کہتے ہیں۔ کسی بھی سرکاری ملازم کو یہ اختیار ہے کہ وہ دوران ملازمت اپنی ہنگامی ضرورتوں کے پیش نظر اس فنڈ میں سے کچھ رقم نکلوا سکتا ہے۔ چونکہ اس فنڈ میں موجود رقم سرکاری ملازم کے نام پر جمع ہوتی ہے، اور اس کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے، لہٰذا یہ رقم ترکہ میں شمار ہو گی، جو متوفیٰ کے شرعی وارثوں میں ان کے شرعی حصے کے مطابق تقسیم ہونی چاہیے۔ اگر متوفیٰ اپنی زندگی میں کسی ایک شخص کو پراویڈینٹ فنڈ کا حق دار نامزد کر چکا ہے تو بھی اس نامزدگی کی

* ملاحظہ ہو: عثمانی، مفتی محمد تقی، عدالتی فیصلے، ادارہ اسلامیات، کراچی/لاہور، مارچ ۲۰۰۰ء، ۲: ۲۰۵

Marfat.com

کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ایسی صورت میں بھی پراویڈینٹ فنڈ نہ تو وصیت کہلائے گا اور نہ تحفہ یا وقف، بلکہ وہ ترکہ شمار ہوگا۔[1]

۷۔ پنشن: پنشن ترکہ میں شامل نہیں ہے لہٰذا شرعی وارث اس کے حق دار نہیں ہوسکتے؛ لیکن ایسی پنشن جو ملازم کی زندگی میں واجب الادا ہو اور جس کا مطالبہ وہ لازماً کر سکتا ہو تو وہ پنشن اس کے ترکہ میں شمار ہوگی مگر ایسی پنشن جو اس کی زندگی میں واجب الادا نہ تھی وہ اس کا ترکہ شمار نہ ہوگی۔[2]

پنشن کا حق دار کون: سول سروس ریگیولیشنز کے آرٹیکل نمبر ۴۲۷ کے مطابق کسی بھی سرکاری ملازم کی وفات کی صورت میں اس کے اہل خانہ پنشن کے حق دار ہوتے ہیں۔اہل خانہ میں سرکاری ملازم کی بیوی یا بیویاں، اگر سرکاری ملازم عورت تھی تو اس کا خاوند، متوفیٰ کے نابالغ بچے اور اگر اس کا کوئی اور بیٹا فوت ہوچکا ہو تو اس کے بیوی بچے شامل ہیں۔تاہم جہاں ماں بھی زندہ ہو اور اس کا اور کوئی سہارا نہ ہو تو احسان کا رویہ یہ ہے کہ بیوہ کے ساتھ ماں بھی شریک ہوگی۔

۸۔ اگر کسی مرنے والے کو اس کی خدمات کے صلے میں کسی ادارے یا حکومت کی طرف سے رقم یا کوئی جائداد دی جائے، تو ایسی رقم یا جائداد انتقال کے وقت متوفیٰ کی ملکیت نہ ہونے کی بنا پر ترکے میں شامل نہیں ہوتی؛ لہٰذا متوفیٰ کے اہل خانہ ہی اس کے حق دار ہوں گے اور شرعی ورثا کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔[3]

۱۔ بحوالہ: 1999 CLC،۸۰۶

۲۔ عدالتی فیصلے ۲: ۲۱۶

۳۔ ایضاً

Marfat.com

۹۔ دیت: دیت ترکے کا حصہ نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ ترکہ وہ مال ہوتا ہے جو متوفیٰ / مقتول کی وفات کے وقت اس کی ملکیت میں ہو۔ جبکہ دیت مقتول کی وفات کے بعد واجب ہوتی ہے، لہٰذا اسے ترکے کا حصہ قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن دیت ترکے کی تقسیم کے اصول پر ہی تمام وارثوں میں تقسیم ہوتی ہے۔[1]

۱۰۔ حکومت کی طرف سے بسا اوقات مختلف حادثات کا شکار ہونے والوں کے لواحقین کو جو معاوضہ ادا کیا جاتا ہے وہ نہ دیت ہوتی ہے اور نہ ترکہ، بلکہ وہ متوفیٰ کے اہل خانہ کے لیے حکومت کی طرف سے اس نقصان کی تلافی کی ایک صورت ہوتی ہے۔[2]

۱۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان، دفعہ نمبر ۳۳۰؛ النساء ۴: ۹۲؛ جامع ترمذی، کتاب الدیات، حدیث ۱۴۱۵

۲۔ عدالتی فیصلے ۲: ۲۱۸

Marfat.com

علم میراث / علم الفرائض

علم میراث وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ترکہ کی تقسیم اور اس کے مستحقین معلوم ہوتے ہیں۔ اسے "علم الفرائض" بھی کہتے ہیں، یعنی مقررہ حصوں کا علم۔[1] فرائض فریضۃ کی جمع ہے، اس کے لفظی معنیٰ ہیں وہ احکام جو ضروری اور مقرر ہوں، یعنی اس کے قواعد عام انسانوں کی مرضی پر نہیں چھوڑے گئے بلکہ خود اللہ اور اس کے رسول نے اس کے قواعد وضوابط مقرر فرمادیے ہیں۔ قرآن نے وراثت اور وصیت کے احکام بیان کرتے ہوئے کئی بار یہ کہا ہے: ﴿فَرِيضَةً مِنَ اللهِ﴾ (یہ فریضہ الٰہی ہے)، ﴿وَصِيَّةً مِنَ اللهِ﴾ (یہ اللہ کی تاکید ہے)، ﴿يُوصِيكُمُ اللهُ﴾ (اللہ تمھیں تاکید کرتا ہے)، ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللهِ﴾ (یہ اللہ کے مقرر کردہ قواعد وضوابط [حدود] ہیں)۔

امتیاز واہمیت

میت کے ترکے کے متعلق (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے) دور جاہلیت کی چند رسوم حسب ذیل تھیں:[2]

۱۔ ترکے میں وراثت جاری نہیں ہونی چاہیے، وہ قوم (حکومت) کی ملکیت ہے۔

۲۔ ترکہ تقسیم نہیں ہونا چاہیے، وہ خاندان کی مشترکہ جائداد ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو: زحیلی، د۔ وھبہ، الفقہ الإسلامي وأدلته، دار الفکر، دمشق ۱۹۸۵ع، ۸: ۲۴۳؛ وراد کہ، د۔ یاسین احمد ابراہیم، المیراث فی الشریعة الإسلامية، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۹۸۰ء، ص ۴۷

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المیراث فی الشریعة (حوالہ سابقہ)، مقدمہ: ربانی [مولانا] محمد خلیل اللہ، اصول وراثت ترکہ، خیر پور میرس، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰

Marfat.com

۳۔ ترکہ میت کے خلف اکبر (بڑے بیٹے) کا حق ہے، دوسرے سب قرابت دار محروم ہیں۔

۴۔ ترکہ کے مستحقین وہ مرد رشتہ دار ہیں جو میت کی وفات کے وقت دفاع اور جنگ لڑنے اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، باقی سب (صغیر، معذور، عورتیں) محروم ہیں۔

۵۔ ترکہ کے مستحقین صرف مرد ہیں، عورتیں محروم ہیں۔

جاہلیت کی ان تمام رسوم کے خلاف، اسلام کے امتیازی قانون کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [النساء۴: ۷] (مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت۔ یہ حصہ [اللہ کی طرف سے] مقرر ہے)۔

اس آیت میں پانچ قانونی حکم دیے گئے ہیں: ایک یہ کہ میراث صرف مردوں ہی کا حصہ نہیں ہے، عورتیں بھی اس کی حق دار ہیں۔ دوسرے یہ کہ میراث بہر حال تقسیم ہونی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی کم ہو، حتیٰ کہ اگر مرنے والے نے ایک گز کپڑا چھوڑا ہے اس کے دس وارث ہیں تو اسے بھی دس حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے، یہ اور بات ہے کہ ایک وارث دوسرے وارثوں سے ان کا حصہ خرید لے۔ تیسرے اس آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ وراثت کا قانون ہر قسم کے اموال واملاک پر جاری ہو گا خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، زرعی ہوں یا صنعتی یا کسی اور صنف مال میں شمار ہوتے ہوں۔ چوتھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میراث کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مورث کوئی مال چھوڑ کر مرا ہو۔

Marfat.com

پانچویں اس سے یہ قاعدہ بھی نکلتا ہے کہ قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر رشتہ دار میراث نہ پائے گا۔[۱]

علم میراث کی اہمیت اور فضیلت

علم میراث کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل ارشادات نبوی ﷺ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، جن میں اس علم کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب دی گئی ہے:

- عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تعلّموا الفرائض وعلّموه فإنه نصف العلم، وهو يُنسى، وهو أول شيء يُنزَع من أمتي[۲] (لوگو، علم الفرائض [میراث] خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ کہ یہ نصفِ علم ہے اور یہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے اٹھا لی جائے گی)۔
- قال ابن مسعود قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: تعلّموا العلم وعلّموه الناس، تعلّموا الفرائض وعلّموها الناس، تعلّموا القرآن وعلّموه الناس، فإني امرؤ مقبوض، والعلم سيقبض وتظهر الفتن، حتى يختلف اثنان في فريضة لا يجدان أحداً يفصل بينهما[۳] (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "علم خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ، علم الفرائض خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اور قرآن مجید خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اس لیے کہ میں دنیا سے رحلت کر جاؤں گا اور علم اٹھا لیا جائے گا، اور ایک وقت ایسا

۱۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱: ۳۲۴

۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب الحثّ على تعليم الفرائض، حدیث ۲۷۱۹، ۲: ۹۰۸؛ سنن دار قطنی، کتاب الفرائض ۴: ۶۷

۳۔ سنن داری، باب الاقتداء بالعلماء ۱: ۸۳، حدیث ۲۲۷

Marfat.com

آئے گا کہ دو آدمی میراث کے کسی مسئلے کے بارے میں آپس میں اختلاف کریں گے مگر انہیں صحیح مسئلہ بتانے والا کوئی نہیں ہو گا)۔

- عن عبد الله بن عمرو بن العاص: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: العلم ثلاثة، وما سِوى ذلك فهو فضل: آية محكمة، أو سنة قائمة، أو فريضة عادلة (حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضروری علوم تین ہیں، باقی زائد ہیں: آیات محکمات کا علم، سنتِ ثابتہ کا علم اور [وراثت کی] منصفانہ تقسیم فراہم کرنے والا علم فرائض)۔*

علم الفرائض کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ میراث کے اکثر و بیشتر احکام اور ہر وارث کے حصے خود قرآن مجید نے ضروری تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں اور اس کے احکام بیان کرنے کی ذمہ داری کسی انسان پر نہیں ڈالی۔ میراث کے بقیہ چند ہی احکام ایسے ہیں جو سنت نبوی ﷺ یا اجماع صحابہ سے ثابت ہیں۔ وراثت ملکیت مال کا ایک اہم ذریعہ ہے، جبکہ فرد و جماعت کے حوالے سے مال کو شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے جس سے زندگی کا نظام قائم ہے۔ اس بنا پر اس کے حصول کے ایک اہم ذریعے کے احکام کو پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنا ناگزیر تھا، تاکہ اس طرح اس حوالے سے پیدا ہونے والے تنازعات کا بھی سد باب ہو جائے۔

علم میراث کے ماٰخذ

علم میراث کے چار ماٰخذ ہیں: قرآن کریم، سنت مطہرہ، صحابہ کرامؓ کا اجماع اور ان کے انفرادی اجتہادات۔

* سنن أبو داود، كتاب الفرائض، باب ما جاء في تعليم الفرائض، حديث ۲۸۸۵؛ سنن ابن ماجه، باب اجتناب الرأي والقياس، حديث ۵۴

Marfat.com

ذیل میں میراث سے متعلق مفصل قرآنی آیات اور بعض احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قرآنی آیات

۱۔ ﴿يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللهِ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ [النساء۴: ۱۱] (تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، اگر [میت کی وارث] دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکہ کا دوتہائی دیا جائے۔ اگر ایک ہی لڑکی وارث ہوتو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے۔ اور اگر میت کے بھائی بہنیں بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حق دار ہوگی۔ یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کردیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کردیے ہیں اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے)۔

۲۔ ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

Marfat.com

يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ [النساء۴: ۱۲]
(تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں، ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے، جبکہ وصیت جو انہوں نے کی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو انہوں نے چھوڑا ہو ادا کردیا جائے۔ اور وہ تمہارے ترکے میں سے چوتھائی کے حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو، ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کردی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو وہ ادا کردیا جائے۔ اگر وہ مرد یا عورت [جس کی میراث تقسیم طلب ہے] بے اولاد بھی ہو اور اس کے باپ دادا بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا [ماں کی طرف سے] ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے، جبکہ وصیت جو کی گئی ہو وہ پوری کردی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو ادا کردیا جائے بشرطیکہ وہ ضرررساں نہ ہو۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ دانا و بینا اور نرم خو ہے)۔

۳۔ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [النساء۴: ۱۷۶] (لوگ آپ سے "کلالہ" کے معاملے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے اگر کوئی شخص بے اولاد مرجائے اور اس کی [سگی یا باپ کی طرف سے] ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی، اور اگر بہن بے اولاد مرے تو [سگا یا باپ کی طرف سے] بھائی اس کے پورے مال کا وارث ہوگا، اگر میت کی وارث [سگی یا باپ کی طرف سے] دو بہنیں ہوں تو وہ ترکہ میں دو تہائی کی حق دار ہوں گی، اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہرا اور مردوں کا دوہرا حصہ ہوگا، اللہ تمہارے لیے احکام کی توضیح کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)۔

Marfat.com

احکام میراث سے متعلق احادیث

• حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عن ابن عباس رضي الله عنهما: عن النبي صلى الله عليه و سلم قال: ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقي فهو لأولى رجل ذكر[1] (جن وُرثا کے حصے مقرر ہیں انہیں ان کے حصے دے دو، جو بچ جائے وہ زیادہ قریبی مرد رشتہ دار کا ہے)۔

• حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو مومن مال چھوڑ کر مرے، تو وہ اس کے عصبات / وُرثا کا ہوگا اور اگر اس پر قرضہ ہو یا کم سن بچے ہوں [اور ترکہ نہ چھوڑا ہو] تو وہ مجھ پر ہے۔"[2]

• حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ "(میت کے) قرضہ کی ادائگی، وصیت کے نفاذ سے پہلے ہوگی، نیز سگے بہن بھائیوں اور باپ شریک بہن بھائی دونوں موجود ہوں تو سگے ہی وارث ہوں گے۔"[3]

• حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ احد کے بعد حضرت سعد بن ربیعؓ کی بیوی اپنی دو بچیوں کو لیے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ سعد کی بچیاں ہیں جو آپ کے ساتھ اُحد میں شہید ہوئے ہیں، ان کے چچا نے

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب ۴، حدیث ۶۳۵۱؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها، حدیث ۱۶۱۵

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب الصلاة على من ترك ديناً، حدیث ۲۳۹۹؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته

۳۔ مسند احمد ۱: ۱۳۱، حدیث ۱۸۱؛ سنن ترمذی، کتاب الفرائض، باب میراث الاخوه من الأب والأم، حدیث ۲۰۹۴؛ ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الدين قبل الوصية، حدیث ۲۷۱۵

Marfat.com

پوری جائداد اپنے قبضے میں لے لی ہے اور ان کے لیے ایک حبّہ تک نہیں چھوڑا، اب بھلا ان بچیوں سے کون نکاح کرے گا۔ اس پر میراث کی درج بالا آیات نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے چچا کو بلا کر فرمایا: "بچیوں کو کل ترکہ کا دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو، اس کے بعد جو بچ جائے وہ تمہارا ہے۔"[1]

• حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ایک عورت کا ترکہ اس کے شوہر اور سگی بہن میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ تو انہوں نے دونوں کو ترکہ میں نصف نصف کا حق دار ٹھہرایا اور کہا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو اسی طرح فیصلہ فرماتے دیکھا ہے۔[2]

• ھُزیل بن شُرَحبیل کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے میراث کے ایک مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا جس میں میت ایک بیٹی، پوتی اور بہن چھوڑ کر مرا تھا تو انہوں نے کہا کہ کل ترکہ کا نصف بیٹی کو اور بقیہ نصف بہن کو ملے گا۔ پھر کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی پوچھ لو وہ میری تائید ہی کریں گے۔ سائل نے حضرت ابن مسعودؓ کے ہاں حضرت ابو موسیٰؓ کا فتویٰ ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر میں بھی وہی فتویٰ دوں جو ابو موسیٰؓ نے دیا ہے تو یقیناً میں راہ راست سے بھٹک جاؤں گا۔ میں اس کے بارے میں وہی فتویٰ دوں گا جو آنحضور ﷺ نے دیا تھا: بیٹی کو کل ترکہ کا نصف، پوتی کو چھٹا حصہ (بیٹوں کے دو تہائی حصہ کی تکمیل کے طور پر) اور باقی بہن کا ہوگا۔ بخاری اور مسند احمد کی روایت

۱۔ مسند احمد ۳: ۳۵۲، حدیث ۱۴۵۰۴؛ سنن ابو داؤد، کتاب الفرائض، باب میراث الصلب، حدیث ۲۸۹۲؛ سنن ترمذی، کتاب الفرائض، باب میراث البنات، حدیث ۲۰۹۲؛ ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب فرائض الصلب، حدیث ۲۷۲۰

۲۔ مسند احمد ۵: ۱۸۸، حدیث ۲۰۶۶۷، ۲۰۶۸۳

Marfat.com

میں ہے کہ ہم نے حضرت ابو موسیٰؓ کو ابن مسعودؓ کے فتویٰ کے متعلق بتایا تو انہوں نے کہا کہ جب تک ایسا بڑا عالم تمہارے درمیان موجود ہو مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔[1]

● اَسود کہتے ہیں کہ حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب یمن میں تھے، تو اس وقت انہوں نے میت کے وُرثا صرف بہن اور بیٹی ہونے کی صورت میں ہر ایک کو ترکہ میں سے نصف دیا، حضور اکرم ﷺ اس وقت ہمارے درمیان تھے۔[2]

● قَبیصہ بن ذُوَیب کہتے ہیں کہ ایک دادی / نانی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے (اپنے پوتے / نواسے کے) ترکہ میں سے حصہ دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسے کہا کہ اللہ کی کتاب میں تمہارے حصے کا ذکر نہیں، نیز مجھے رسول اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ میں بھی تمہارے لیے کوئی حصہ ہونے کا علم نہیں۔ فی الحال تم چلی جاؤ میں لوگوں سے پوچھ کر تمہیں بتاؤں گا۔ چنانچہ حضرت مغیرہ بن شُعبہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسے (دادی / نانی کو) چھٹا حصہ عطا فرماتے دیکھا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ایسی گواہی دے سکتا ہے؟ اس پر محمد بن مَسلمہ انصاریؓ اٹھے اور حضرت مُغیرہ کی بات کی تائید کی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے اسے ترکہ میں سے چھٹا حصہ دینے کا فیصلہ فرمادیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک اور دادی / نانی آپؓ کے پاس آئی جو حصہ طلب کر رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے کہا کہ اللہ کی کتاب میں

۱۔ مسند احمد ۱: ۳۸۹، حدیث ۴۳۶۸؛ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب ۸، حدیث ۶۷۳۶؛ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب میراث الصلب، حدیث ۲۸۹۰؛ سنن ترمذی، کتاب الفرائض، باب ۴، حدیث ۲۰۹۳؛ ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب فرائض الصلب، حدیث ۲۷۲۱

۲۔ سنن ابو داؤد، کتاب الفرائض، باب میراث الصلب، حدیث ۲۸۹۳، حدیث ۶۷۳۴، کتاب الفرائض، باب میراث البنات، نیز بخاری میں بھی اس مفہوم کی حدیث روایت ہوئی ہے۔

Marfat.com

تمہارے لیے کوئی حصہ مقرر نہیں، البتہ چھٹا حصہ ہے، اگر تم دونوں کسی مسئلے میں جمع ہو جاؤ تو یہ تم دونوں میں تقسیم ہو گا، اور اگر تم دونوں میں سے کوئی ایک ہی ہو گی تو یہ اس کا حصہ ہو گا۔[۱]

• حضرت بُریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماں کی عدم موجودگی میں دادی/نانی کو کل ترکہ کا چھٹا حصہ عطا فرمایا۔[۲]

• حضرت مِقدام بن مَعدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص مال چھوڑ کر فوت ہوا ہو وہ اس کے وُرثا کا ہو گا، اور میں (اسلامی حکومت کے سربراہ کے طور پر) اس شخص کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو، اس کی مالی ذمہ داریاں ادا کروں گا اور اس کے ترکہ کا وارث بنوں گا، اور جس شخص کا کوئی اور قریبی وارث موجود نہ ہو تو اس کا ماموں اس کا وارث قرار دیا جائے گا۔"[۳]

• حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی بچے نے پیدائش کے بعد چیخنے کی آواز نکالی اور پھر فوت ہو گیا تو وہ وارث قرار دیا جائے گا۔"[۴]

۱۔ موطا مالک ۲: ۵۱۳؛ مسند احمد ۴: ۲۲۵؛ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب الجدة، حدیث ۲۸۹۴؛ ترمذی: کتاب الفرائض، باب میراث الجدة، حدیث ۲۱۰۱؛ ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب میراث الجدة، حدیث ۲۷۲۴

۲۔ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب الجدة، حدیث ۲۸۹۵

۳۔ مسند احمد ۴: ۱۳۱، ۱۳۳؛ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب میراث ذوی الارحام، حدیث ۲۸۹۹، ۲۹۰۰؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب ذوي الارحام، حدیث ۲۷۳۸

۴۔ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب في المولود يستهل ثم يموت، حدیث ۲۹۲۰

Marfat.com

• حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کسی کافر کا اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔"[۱]

• حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: قاتل کو مقتول کے ترکہ میں سے حصہ نہیں ملے گا۔[۲]

۱۔ موطأ مالک ۲: ۵۱۹؛ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب۲۶، حدیث ۶۷۶۴؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض باب۱، حدیث ۴۱۴۰

۲۔ موطأ مالک ۲: ۸۶۷؛ مسند احمد ۱: ۴۹، حدیث ۲۹۶، ۳۶۷؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب میراث القاتل (عن أبي هريره)، حدیث ۲۷۶۶

Marfat.com

اسلام کے نظامِ وراثت کی چند اہم خصوصیات

اسلام کے نظامِ وراثت کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو دیگر نظاموں میں ہمیں نظر نہیں آتیں۔ ذیل میں ایسی چند خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے:

- اسلام نے وُرثا کی ایک بڑی تعداد کو ترکہ میں حصہ دار بنا کر ایک جگہ جمع ہو جانے والی دولت کو پھیلایا اور اسے گردش میں لایا ہے۔ اس سے ایک طرف بڑے بڑے سرمائے ایک جگہ جمع ہو رہنے کے بجائے مختلف چھوٹی چھوٹی ملکیتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، تو دوسری طرف خاندان کی اکائی مضبوط ہوتی ہے اور اس میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ ملکیت کے حوالے سے حسد و کینہ پروری اور کدورت کے عوامل ختم ہو جانے کی وجہ سے خاندان متحد و منظم رہتا ہے۔
- اسلام کے نقطۂ نظر سے ترکہ کی تقسیم ناگزیر ہے۔ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے ترکہ میں سے حصہ پانے والے کسی وارث کو اس سے محروم یا عاق (disinherit) نہیں کر سکتا۔ وارث کو ہر صورت میں میت کے ترکہ میں سے حصہ مل کر رہے گا، بشرطیکہ اس میں حصہ پانے کی شرائط پائی جائیں۔ البتہ وارث کسی ایک یا تمام وُرثا کے حق میں آزادانہ مرضی سے اپنے حصے سے دست بردار ہو سکتا ہے۔
- اسلام نے حصوں کی کمی بیشی میں قرابت داری کو بنیاد بنایا ہے۔ چنانچہ جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہے وہ نسبتاً دور والے رشتہ دار کو حصہ پانے سے محروم کر دے گا یا اس کے مقابلے میں زیادہ حصہ پائے گا۔ لہٰذا باپ کو دادا پر، ماں کو دادی اور نانی پر اور بیٹے کو پوتے پر، اسی طرح بیٹے، پوتے اور باپ کو بھائی پر فوقیت دی گئی ہے۔
- اسلامی قانونِ وراثت میں میت کے ترکہ میں سے حصہ پانے والوں کا تعین خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ترکے کی تقسیم کا اختیار مورّث (میت) کو نہیں دیا۔ اس لیے کہ انسان

Marfat.com

پر خواہشاتِ نفس کا غلبہ ہو سکتا ہے جن کی بنا پر وہ کسی وقتی جذبے کے تحت ترکے کے بعض حق داروں کو یا تو بالکل محروم کر سکتا ہے یا پھر بلا جواز ان کے حصوں میں کمی کر سکتا ہے۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے وُرثا اور ان کے حصوں کا تعین فرما کر اس بات کا سدباب کر دیا ہے۔

- اسلام نے قانون میراث کے ذریعے کمزور افراد، عورتوں اور بچوں کو ان کے حقوق دیے اور ان کا خاطر خواہ تحفظ کیا، جبکہ دیگر مذاہب اور تہذیبوں میں عورت اپنے جائز حقِ وراثت سے محروم رہی ہے اور عموماً اسے نظر انداز کیا گیا ہے (جیسا کہ اس کی کچھ تفصیل پہلے دی جا چکی ہے)۔
- اسلام نے بعض صورتوں میں ضرورت و احتیاج کو حصوں میں کمی بیشی کی بنیاد بنایا ہے۔ اسی لیے بیٹی کا حصہ اس کے بھائی کے مقابلے میں آدھا رکھا گیا ہے اس لیے کہ اسے مال ملکیت کی زیادہ ضرورت ہے، اس کی مالی ذمہ داریاں بیٹی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ اس نے اپنی بیوی کو مہر دینا ہوتا ہے، اپنے بیوی بچوں، والدین، بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کی اگر وہ تنگ دست ہوں، کفالت کرنا ہوتی ہے۔ جبکہ عورت پر اس طرح کی کوئی ذمہ داری اسلام نے نہیں ڈالی، بلکہ ولادت سے وفات تک اس کی کفالت کی تمام تر ذمہ داری مرد پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ عدل و انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ اس کا حصہ بھی اس کے بھائی کے مقابلے میں کم رکھا جائے۔

ضرورت و احتیاج کے اسی اصول کے پیش نظر اسلام نے متوفّٰی کے بیٹے کا حصہ اس کے باپ کے حصے سے زیادہ رکھا ہے۔ اس لیے کہ بیٹا نو عمر ہے، اسے ابھی زندگی کے مسائل و مشکلات اور ذمہ داریوں کا سامنا کرنا ہے، جبکہ باپ بوڑھا اور کمزور ہے، اسے

Marfat.com

اتنا ہی مال درکار ہے جس سے وہ اپنے بڑھاپے کی حفاظت کر سکے اور ضروریات زندگی کے لیے اسے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ *

مرد کا حصہ دوگنا کیوں؟

اسلام میں عورت کے حصے کا مرد سے آدھا ہونے پر مغرب کے طرز فکر سے متاثر حضرات کی طرف سے شبہات اور اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ عورت کے ساتھ صنفی تخصیص روا رکھی گئی ہے، یا یہ کہ عورت کو آدھے مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مرد کو دو حصے دیے جائیں اور عورت کو ایک، جبکہ عورت زیادہ قابل رحم اور مالی اعانت کی زیادہ مستحق ہے۔ وہ مردوں کی طرح تجارت وزراعت نہیں کر سکتی۔ شوہر کی دست بستہ غلام ہے۔ بچوں کی پرورش کرنے والی ہے۔ علاوہ ازیں حمل کی گرانی، وضع حمل کی تکلیف اور رضاعت کی محنت ومشقت اسے بالکل ناتواں کر دیتی ہے۔ اس لیے اس کا حصہ ہونا تو زیادہ چاہیے تھا اور اگر زیادہ نہیں کم از کم برابر تو ضرور ہونا چاہیے تھا!

ان سارے اعتراضات کی وجہ دراصل ہماری کم علمی اور ہمارے ہاں عورت کی موجودہ ابتر معاشی حالت ہے جس کا سبب اسلامی نظام میراث نہیں، بلکہ ہمارا معاشرہ ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج تک عملی زندگی میں عورت کے حق وراثت کو تسلیم نہیں کیا گیا، اور عموماً عورتوں کو ان کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے، خصوصاً بیٹیاں پرایا دھن سمجھی جاتی ہیں، لہٰذا انہیں بوقتِ شادی جہیز کی صورت میں کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا جاتا ہے اور انہیں خاندانی جائداد اور وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ ایسا کرنے والا صریحاً اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔

* مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المیراث فی الشریعۃ الإسلامیۃ، ص ۴-۵۶

Marfat.com

اسلام میں عورت کا حصۂ میراث نصف مقرر کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کار فرما ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس نظام کی مصالح اور حکمتوں کو کماحقہ سمجھنا ہماری ناتواں عقل سے باہر ہے۔ بایں ہمہ اگر غور کیا جائے تو اس حکم کی حسب ذیل مصلحتیں سامنے آتی ہیں:

ا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو دوگنا حصہ اس کی ذمہ داریوں کی وجہ سے دیا ہے، کیونکہ زندگی میں زیادہ تر معاشی، تعلیمی اور تربیتی ذمہ داریاں بنیادی طور پر مردوں پر ہیں، جن سے عورت بالکل مستثنیٰ ہے، بلکہ خود عورت کی اپنی کفالت کا بار بھی شادی سے پہلے اس کے سرپرست پر رکھا گیا ہے اور شادی کے بعد خاوند یا اس کی اولاد پر، ایسی صورت میں دونوں کو مساوی حقوق دینا کس طرح قرینِ انصاف تھا۔

نامور مفکر محمد قطب لکھتے ہیں:

> اسلام کا قانون یہی ہے کہ میراث میں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے۔ یہ بالکل فطری اور منصفانہ تقسیم ہے کیونکہ اخراجات کی ذمہ داری مرد پر رکھی گئی ہے، عورت پر مالی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہیں رکھا گیا۔ دوسرے انداز سے دیکھیے: کل وِرثے کا ایک تہائی عورت (بیٹی) کو صرف اپنی ذات کے لیے ملتا ہے، جبکہ باقی دو تہائی مرد (بیٹے) کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے بیوی بچوں اور خاندان کی ضروریات پوری کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وراثت کا بیشتر حصہ کس کو ملتا ہے عورت کو یا مرد کو۔*

مرد خاندان کی معاشی اور مالی ذمہ داریاں پوری کرنے کا پابند ہے۔ اگر وہ بیوی کو نان نفقہ دینے سے انکار کر دے یا آمدنی کے لحاظ سے اس کو کم خرچہ دے، تو بیوی ذاتی طور پر مال دار اور صاحب حیثیت ہونے کے باوجود بھی اس کے خلاف مقدمہ دائر کر کے نان ونفقہ کا مطالبہ

* محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات / شبہات حول الاسلام، IIFSO کویت، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۹-۱۲۰

Marfat.com

کر سکتی ہے۔ اس لیے مرد کو گھرانے کا سربراہ ہونے کی وجہ سے جو ذمہ داریاں پوری کرنا پڑتی ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ اسے وراثت میں زیادہ حصہ دیا جائے۔

۲۔ میراث میں آدھے حصے کی تلافی بھی اسلام کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک تو بیوی کو شوہر سے مہر دلواتا ہے جو کہ بلا شرکت غیرے صرف اسی کا ذاتی حق ہے۔ دوسرے یہ کہ شادی میں جو مال وزر اور تحفے تحائف دیے جاتے ہیں، اس کی مالک بھی وہ خود ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس کوئی جائداد وغیرہ ہے، تو وہ صرف اسی خاتون کا حق ہے، کوئی اسے اس کے خاوند یا بچوں پر خرچ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، جبکہ مرد قانونًا اپنے حصے کے مال و دولت کو دوسروں پر خرچ کرنے کا پابند ہے۔

ماں باپ کی طرف سے ملنے والا حصہ بھی ذاتی طور پر اسے مل جاتا ہے اور اسے اپنے بچوں یا شوہر کی کفالت بھی نہیں کرنی پڑتی۔

۳۔ قانون وراثت میں اصل اہمیت چونکہ نسب کو دی جاتی ہے، اس لیے اس ضابطے کے تحت ضروری نہیں کہ مرد کو زیادہ حصہ ہی ملے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک عورت مورّث (میت) سے قریبی تعلق رکھتی ہو اور اس مرد سے زیادہ حصہ پائے جو مورّث کا دور کا رشتہ دار ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاندان (والدہ، والد، بھائی، بہن وغیرہ) سے بھی وراثت میں حصہ پاتی ہے اور اپنے خاوند کے خاندان (خاوند اور اپنے بیٹے، بیٹیوں وغیرہ) سے بھی۔

۴۔ ان پہلوؤں سے قطع نظر، اصولی طور پر اسلام نے عورتوں کو سماج میں مردوں کے مساوی حیثیت دی اور وراثت کا مستحق ٹھہرایا۔ اسلام کی جانب سے عورتوں کی مزید عزت افزائی کا مظہر یہ ہے کہ اس نے تقسیم میراث میں حصہ نسواں کو اصل پیمانہ قرار دیا ہے اور اس کی نسبت سے مردوں کا حصہ بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي

Marfat.com

أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ [النساء۴: ۱۱] (تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے)۔

قرآن کی یہ تعبیر قابلِ غور ہے۔ یوں بھی کہا جاسکتا تھا کہ عورت کے لیے مرد کے حصے کا نصف ہے یا دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر حصہ ملے گا، لیکن اس کے بجائے یہ کہا گیا کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں میراث میں لڑکی کا حصہ اصل ہے؛ اسی لیے اسے تقسیم میراث کے معاملے میں پیمانہ اور بنیاد بنایا گیا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مستحقینِ میراث میں کچھ لوگ وہ ہیں جو دوسرے وارثین کی موجودگی میں میراث سے بالکلیہ مرحوم ہو جاتے ہیں، مثلاً بھائی جو باپ کی موجودگی میں محروم رہتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ وہ ہیں جو بالکلیہ تو محروم نہیں ہوتے البتہ ان کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ چھ وارثین ایسے ہیں جو کسی بھی حال میں میراث سے بالکلیہ محروم نہیں ہوتے: شوہر، بیٹا، باپ، بیوی، بیٹی اور ماں۔ اس فہرست میں اگر تین مرد ہیں تو تین عورتیں بھی ہیں۔

اس کے علاوہ میراث میں اصحاب الفروض کے جو حصے متعین کیے گئے ہیں، ان کے مستحقین میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں دوگنا ہے۔

نیز تقسیم میراث کے متعدد حالات ایسے ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہوتا ہے اور ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ جیسے: نرینہ اولاد کی موجودگی میں ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ میت کے اصول (باپ دادا) اور فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی...) میں سے کوئی نہ ہو اور اس کے اخیافی (ماں شریک) بہن بھائی ہوں تو سب ایک تہائی میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ نیز بعض حالات میں حقیقی بہن اتنا ہی حصہ پاتی ہے جتنا حقیقی بھائی مستحق بنتا ہے۔

Marfat.com

ان صورتوں کے علاوہ جن میں عورت کا حصہ مرد سے زیادہ یا اس کے برابر ہوتا ہے، صرف درج ذیل حالتوں میں ہی عورت کا حصہ مرد کا نصف ہوتا ہے۔ جیسے:

- اولاد اور شوہر یا بیوی کی عدم موجودگی میں ماں کا حصہ ایک تہائی ہوتا ہے اور بقیہ کا مستحق باپ قرار پاتا ہے۔
- میاں بیوی میں سے کوئی ایک وفات پا جائے اور دوسرے کو چھوڑ جائے تو عورت یعنی بیوی کا حصہ مرد یعنی شوہر کے مقابلے میں نصف ہوتا ہے۔
- اگر میت کی اولاد بیٹے بیٹیاں یا پوتے پوتیاں (تا آخر) ہوں تو ان کے درمیان میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ ہر ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا۔
- اسی طرح اگر میت کے حقیقی یا باپ شریک بھائی بہن ہوں تو ان کے درمیان بھی میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ ہر مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔

بایں ہمہ شریعت اسلامیہ کے پورے قانون میں معاشی، معاشرتی اور قانونی ذمہ داریوں کا بار چونکہ زیادہ تر مرد پر ہی عائد کیا گیا ہے، اس لیے عورت کو مرد کے مقابلے میں اکثر اوقات نصف حصہ یا نصف رتبہ دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر وراثت، دیت اور قانونِ شہادت وغیرہ میں عورت کا حصہ کئی جگہ مرد کے مقابلے میں نصف رکھا گیا ہے، مگر اس کا مطلب عورت کے درجے اور رُتبے میں کمی ہرگز نہیں؛ بے شمار دوسرے مواقع پر عورت کا درجہ زیادہ یا مساوی رکھا گیا ہے۔ مثلاً علم و عمل اور اُخروی اجر و ثواب کے حصول میں دونوں میں کوئی فرق نہیں، جبکہ خدمت واطاعت میں اولاد کے لیے والدہ کا درجہ زیادہ ہے۔ اولاد میں سے دُختری اولاد کی پرورش، تربیت اور نگہداشت پر لڑکوں کی نسبت زیادہ اجر و ثواب ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے عورت کا درجہ مرد سے بڑھا دیا ہے۔ اس طرح شریعت نے دونوں کے مابین توازن اور اعتدال قائم رکھا ہے جو صحت مند معاشرے کے لیے ضروری ہے۔

Marfat.com

ترکۂ میت سے وابستہ حقوق*

کسی کی میراث یا ترکہ وُرثا کے درمیان اس وقت تک تقسیم نہیں ہو سکتا جب تک تین چیزوں (حقوق) کے اخراجات اس کے ترکے سے پورے نہ کر لیے جائیں۔ اگر ان تین چیزوں پر خرچ کے بعد کچھ بچے تو وہ وارثوں کو ملے گا۔ یہ تین چیزیں یا حقوق یہ ہیں:

۱۔ تجہیز و تکفین ۲۔ قرض کی ادائگی ۳۔ نفاذِ وصیت

۱۔ تجہیز و تکفین (Funeral Expenses)

یہ میت کے ترکے پر ثابت ہونے والے سب سے پہلے اخراجات ہیں۔ تجہیز کے بعد تکفین یا تدفین کے لفظ کا استعمال لفظِ عام کے بعد خاص کا استعمال ہے۔ تجہیز و تکفین کی ادائگی قرض پر مقدم ہے۔ اس لیے سب سے پہلے میت کے ترکے سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی۔ تجہیز و تکفین کے حوالے سے چند مسائل درج ذیل ہیں:

۱۔ مردے کو کفن اسی حیثیت کا دینا چاہیے جس حیثیت کا کپڑا وہ اپنی زندگی میں عام طور پر استعمال کرتا تھا، بہت کم قیمت کفن دینا بھی اچھا نہیں ہے مگر اس کی حیثیت سے زیادہ بہت بیش قیمت کفن دینا بھی اسراف اور گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔

۲۔ ہر حال میں کچی قبر بنانی چاہیے، مرنے والا چاہے غریب ہو یا مال دار، قبر کی کھدائی کا خرچہ ترکے سے لے لینا چاہیے۔ اگر قبر کی زمین خریدنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کی قیمت بھی ترکے سے لی جا سکتی ہے۔ اگر کہیں ضرورت ہو تو نہلانے والوں اور قبر تک پہنچانے کی مزدوری بھی ترکے سے دی جا سکتی ہے۔

---

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۲۶۹- ۲۷۷؛ محمد علی الصابونی، المواريث في الشريعة الإسلامية ص۳۴-۳۵؛ الموسوعة الفقهية، وزارت اوقاف، کویت ۱۹۸۲ء، ۳: ۱۹- ۲۱

Marfat.com

غرض کہ تجہیز و تکفین کے سلسلے میں دو باتوں کا خاص طور پر خیال رہنا چاہیے۔ ایک یہ کہ تجہیز و تکفین کا خرچ میت ہی کے ترکے سے لیا جائے۔ اگر دوسرے اعزہ و اقارب اپنی خوشی سے اس کا خرچ برداشت کرلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں فضول خرچی بالکل نہ کی جائے ورنہ دوہرا گناہ ہوگا؛ ایک سنت نبوی کی خلاف ورزی کا، دوسرے وارثوں کی حق تلفی کا، کیونکہ ترکہ ورثا کا حق ہے۔

۳۔ عام طور پر قبرستان میں تدفین کے وقت جو صدقہ کیا جاتا ہے، یا کپڑا وغیرہ تقسیم کیا جاتا ہے، یا آنے والوں کی خاطر تواضع میں خرچ کیا جاتا ہے؛ اگر بالغ ورثا ترکے سے اپنی خوشی سے ایسا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر اس سلسلے میں دو تین باتیں ملحوظ رکھنی چاہییں:

ایک یہ کہ اگر ورثا میں کوئی نابالغ وارث بھی ہو تو پھر اس کے حصے سے صدقہ خیرات کرنا جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ عموماً ایسا نام و نمود کے لیے کیا جاتا ہے، اس لیے اگر صدقہ و خیرات کرنا ہے تو قبرستان کے بجائے اپنے گھر پر چھپا کر کرنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ جو لوگ تیجہ، چہلم اور برسی وغیرہ میں کھانے وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں خواہ وہ ترکہ سے کریں یا اپنے پاس سے، دونوں صورتیں جائز نہیں۔ یہ چیز نہ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین یا ائمۂ مجتہدین سے، اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۴۔ اگر کوئی دوسرا شخص ثواب کی نیت یا تعلق کی بنا پر تجہیز و تکفین کا خرچ دینا چاہتا ہے تو یہ ورثا کی مرضی پر ہے، اسے قبول کریں یا نہ کریں۔

۵۔ بیوی کی تجہیز و تکفین کا خرچ سب سے پہلے شوہر پر ہے۔ اگر شوہر موجود نہ ہو تو پھر بیوی کے ترکے سے لیا جائے گا۔

Marfat.com

۶۔ اگر میت نے کوئی ترکہ چھوڑا ہی نہ ہو، تو اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ وہ لوگ برداشت کریں گے جو ترکہ چھوڑنے کی صورت میں اس کے وارث ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک وارث کو اسی حساب سے خرچ دینا واجب ہے، جس حساب سے وہ وراثت میں حصہ پائے۔ مثلاً ایک وارث آدھا ترکہ پاتا اور دو وارث آدھے میں نصف نصف پاتے، تو اگر تجہیز و تکفین میں ایک ہزار روپے خرچ ہوں گے تو پانچ سو روپے پہلا وارث دے اور ۲۵۰، ۲۵۰ روپے دونوں وارث دیں۔

۷۔ اگر کسی کے وارث اور رشتہ دار نہ ہوں تو اس کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہے اور جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں اس بستی یا محلے کے لوگوں پر اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ واجب ہے، وہ چندہ کر کے پورا کریں۔[1]

۲۔ قرض کی ادائگی (Payment of Debts)

تجہیز و تکفین کے بعد جو بچے اس سے میت کے وہ قرضے ادا کیے جائیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو۔ اس میں بیوی کا مہر وغیرہ بھی شامل ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "مومن کی روح اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک اس پر جو قرضہ ہو وہ ادا نہ کر دیا جائے۔"[2]

جو قرضے خالص حقوق اللہ ہیں، جیسے زکاۃ، کفارات، نذر؛ احناف کے نزدیک وہ ترکہ سے ادا نہیں کیے جائیں گے، البتہ باقی فقہا کے نزدیک ترکہ کی وُرثا میں تقسیم سے قبل ان کی ادائگی بھی ضروری ہے۔ حنفی فقہا اپنے موقف کے حق میں کئی دلیلیں پیش کرتے ہیں، ان

۱۔ ندوی، مجیب اللہ، اسلامی فقہ، پروگریسو بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ۲: ۴۸۲-۴۸۵

۲۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۲۴۹؛ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء عن النبی ﷺ أنه قال: (نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه)

Marfat.com

میں سے ایک یہ ہے کہ عبادت میں مکلف کی نیت اور اس کا فعل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور موت کے ساتھ ہی اس کی نیت اور فعل دونوں ختم ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر وجوب باقی نہیں رہتا۔ اس کے برخلاف حقوق العباد کی ادائگی کے لیے نیت اور فعل کی شرط نہیں ہوتی۔ ائمۂ ثلاثہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موت سے حقوق کی ادائگی ساقط نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک یہ خالص اللہ تعالیٰ کے حقوق نہیں، بلکہ ان میں بندوں (غربا و مساکین) کا حق بھی شامل ہے، اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب متوفّیٰ نے ایسے قرضوں (حقوق اللہ) کی ادائگی کے بارے میں وصیت نہ کی ہو۔ متوفیٰ کی طرف سے وصیت ہونے کی صورت میں ترکہ کی تقسیم سے قبل بالاتفاق وہ بھی ادا کیے جائیں گے۔ (حنفی فقہا اس کو وصیت کا درجہ دے کر ان کی ادائگی کے لیے ایک تہائی ترکہ کی شرط لگاتے ہیں)۔

قرضوں کی ادائگی میں ترجیح

فقہا نے حقوق العباد کے سلسلے میں دَین (قرض) کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ دین الصحۃ اور دین المرض۔ دَین الصحۃ وہ قرض ہے جو شہادت سے ثابت شدہ ہو خواہ وہ قرض حالت صحت کا ہو یا حالت مرض کا، دونوں صورتیں برابر ہیں۔ نیز وہ قرض جو حالت صحت میں اقرار سے ثابت ہو وہ حالت صحت کا قرض کہلائے گا اور جو قرض بحالت مرض الموت میت کا اقراری ہو (یعنی شہادت وغیرہ سے ثابت شدہ نہ ہو) وہ دَین المرض کہلائے گا۔ جہاں تک ان دونوں کی ادائگی کا تعلق ہے، تو ان میں یہ فرق رکھا گیا ہے کہ تجہیز و تکفین کے بعد دین الصحۃ کو دین المرض کے مقابلے میں ادا کرنے میں فوقیت حاصل ہو گی، لیکن دین المرض جو بحالت مرض الموت میت کے صرف اقرار سے ثابت ہو اس کو وصیت شمار کیا جائے گا اور اس کے وصیت ہونے کی حیثیت سے ترکے کی ایک تہائی کی حد تک قابل عمل ہو گا۔

Marfat.com

حنفی فقہا نے یہ تفریق اس بنیاد پر کی ہے کہ اول تو اس دین کے ثبوت کا مرض الموت کی حالت میں میت کے اقرار کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ دوسرے مشاہدہ میں بارہا یہ بات آئی ہے کہ لوگ بوقت مرگ اپنے مالی معاملات میں تغافل سے کام لے کر دوسرے مستحق وُرثا کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

باقی تین ائمہ کے نزدیک مرض موت کی حالت میں میت کے محض اقرار سے قرضہ ثابت ہو جاتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک انسان اپنے آخری وقت اللہ کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کے اقرار کو جھوٹ کی تہمت سے محفوظ رکھتے ہوئے دَین المرض کو دَین صحت کے برابر سمجھا جائے گا اگرچہ دین مرض کے ثبوت کے لیے مرض موت میں میت کے اپنے اقرار کے سوا کچھ نہ ہو۔ *

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ کہ حنفی فقہا کے نزدیک تجہیز و تکفین کے بعد حقوق العباد یعنی قرضہ جات کی ادائگی کی جائے گی، بشرطیکہ وہ قرضے شہادت یا میت کے اقرار بحالت صحت سے ثابت شدہ ہوں۔ حقوق اللہ میت کے ترکے سے متعلق نہ ہونے کے سبب صرف وصیت کرنے کی صورت میں عمل پذیر ہو سکیں گے۔

مالکی فقہا کے نزدیک تجہیز و تکفین کے بعد حقوق العباد خواہ وہ دَین صحت ہوں یا دین مرض ادا کیے جائیں گے، اس کے بعد حقوق اللہ (زکاۃ، کفارات...) ادا ہوں گے۔

شافعی فقہا کے نزدیک تجہیز و تکفین کے بعد حقوق اللہ کو سب پر فوقیت ہے۔ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد خواہ دَینِ صحت ہو یا دَینِ مرض۔

* تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام ۵: ۱۶۱۶- ۱۶۳۵

Marfat.com

حنبلی فقہا کے نزدیک سب سے پہلے تجہیز و تکفین پھر حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ایک ساتھ ادائگی (ترکہ کم ہونے کی صورت میں بقدر تناسب کمی کے ساتھ)۔ *

۳۔ تنفیذ وصیت (Compliance of Bequest)

تجہیز و تکفین اور قرضہ ادا کرنے کے بعد ترکے میں سے جو کچھ بچے، اس سے میت کی وصیت پوری کی جائے، لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ

ا۔ وصیت کل ترکہ کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔

۲۔ وصیت کسی ایسے وارث کے لیے نہ ہو جس کو اس ترکہ میں سے از روے شرع حصہ ملنا ہو۔

۳۔ وصیت کسی ناجائز کام کے لیے نہ ہو۔

اگر متوفّٰی نے ایک تہائی سے زائد کی وصیت کی ہو یا کسی وارث کے لیے وصیت کی ہو تو ایسی وصیت دیگر وُرثا کی رضامندی سے پوری کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔ اگر تمام وُرثا راضی نہ ہوں تو زائد وصیت کو کم کرکے ایک تہائی کر دیا جائے گا۔ اس بارے میں تفصیلی احکام کتاب کے دوسرے حصے "وصیت" کے تحت آگے آرہے ہیں۔

۴۔ وُرثا (Legal Heirs) میں تقسیم

مندرجہ بالا مصارف کے بعد ترکہ میں سے جو کچھ بچے وہ میت کے وُرثا میں شریعت کے احکام کے مطابق تقسیم کرنا چاہیے۔

---

* ایضاً، ص ۱۶۲۵

Marfat.com

وُرثا کی ترتیب

شریعت نے جن رشتہ داروں کو وارث ٹھہرایا ہے، استحقاق کے لحاظ سے وہ سب یکساں نہیں، بلکہ ان کے مختلف درجے اور مراتب ہیں۔ وُرثا میں ترکہ کی تقسیم حسب ذیل ترتیب سے ہوگی:

۱۔ذوی الفروض (Sharers)

یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے شریعت نے مقرر کردیے ہیں اور جن کے متعلق قرآن مجید یا سنتِ رسول یا اجماع امت میں واضح احکام موجود ہیں۔

۲۔عصبات (Residuaries)

یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کا میت کے ساتھ نسبی تعلق براہ راست یا کسی مرد کے واسطے سے ہو۔ ان کا حصہ شریعت میں مقرر تو نہیں بلکہ اگر ان میں سے کوئی تنہا وارث ہو تو کل ترکہ کا اور ذوی الفروض کے ساتھ وارث بنے تو ذوی الفروض کو دے کر جو کچھ بچ جائے وہ سب ان کو ملے گا۔

۳۔ذوی الفروض نسبیہ پر ردّ (لوٹانا) (Return to Consanguine Sharers)

جب ذوی الفروض سے ترکہ بچ جائے اور عصبات بھی موجود نہ ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکہ صرف ذوی الفروض نسبیہ پر ان کے سابقہ حصوں کے مطابق لوٹادیا جائے گا (یعنی دوبارہ حصے دیے جائیں گے)۔ البتہ ذوی الفروض سببیہ (میاں بیوی) میں سے کسی کو بھی اس دوسری تقسیم سے حصہ نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ ترکہ میں ان کا استحقاق نکاح کے تعلق کی وجہ سے ہے کسی نسبی قرابت کی وجہ سے نہیں، جبکہ دوسری بار حصہ نسبی قرابت کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللهِ إِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [الانفال۸: ۷۵] (جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور تمہارے ساتھ

Marfat.com

ہو کر جہاد کرتے رہے وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔ اور رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے)۔

۴۔ ذوی الارحام (Distant Kindred)

ذوی الارحام میت کے وہ تمام ددھیالی اور ننھیالی رشتہ دار ہیں جو ذوی الفروض یا عصبہ نہ ہوں اور میت سے ان کا رشتہ صرف کسی عورت کے واسطے سے ہو یا وہ خود عورتیں ہوں، جیسے نواسا، نواسی، نانا، بھتیجی، ماموں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ۔

ذوی الارحام اس وقت وارث ہوتے ہیں جب میت کے کوئی ذوی الفروض اور عصبہ وُرثا موجود نہ ہوں یا صرف میاں بیوی میں سے کوئی موجود ہو۔ پہلی صورت میں پورا ترکہ اور دوسری صورت میں شوہر یا بیوی کے حصے سے جو کچھ بچ رہے، ذوی الارحام کو ملے گا۔

۵۔ میاں /بیوی پر ردّ (دوبارہ حصہ دینا) (Return to Spouce)

جب مذکورہ بالا مستحقین (ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام) میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو میاں بیوی میں سے جو موجود ہو اس کا حصہ اسے دینے کے بعد بقیہ ترکہ بھی اسی کو دے دیا جائے گا۔ یہی متاخرین حنفی فقہا ابن نجیمؒ، ابن عابدین شامیؒ وغیرہ کی رائے ہے۔[1]

پاکستان میں عدالتیں اسی نقطۂ نظر کے تحت فیصلہ کرتی ہیں، جس کے تحت میاں بیوی میں جو موجود ہو وہ بقیہ ترکے کا حق دار ہوتا ہے۔[2]

۶۔ عصبہ سببیہ (آزاد کرنے والا) (Successor by Contract)

اسلامی قانون میں غلام کو آزاد کرنے والا اس کا عصبہ سببیہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا میت اگر کسی کا غلام تھا پھر آزاد ہو گیا اور مر گیا، اگر اس کے مذکورہ بالا ورثا میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں 'معتِق' (اس کا آزاد کنندہ) اس کا وارث بنے گا (آج کل اس کا وجود نہیں)۔

۱۔ ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، قاہرہ، ۱۹۶۸، ص ۲۹۷؛ ابن عابدین، ردّ المحتار، مصر، ۱۲۵۴ھ، ۵: ۵۵۶

۲۔ Hamid Khan, The Islamic Law of Inheritance, P. 215

Marfat.com

۷۔ مقرلہ بالنسب علی الغیر (The Acknowledged Kinsman)

مقرلہ بالنسب علی الغیر وہ شخص ہے جس کے حق میں نسب کا اس طرح اقرار کیا گیا ہو کہ پہلے مقرلہ کے نسب کا غیر سے اقرار ہوتا ہو اور پھر مُقِر (اقرار کرنے والے) کی جانب منسوب ہو جاتا ہو۔ یعنی مقرلہ کا نسب اقرار کرنے والے کے کسی قرابت دار سے منسوب ہو اور پھر اس اقرار کرنے والے سے۔ اقرار کرنے والا مرتے دم تک اپنے اس اقرار پر قائم رہا ہو اور اس غیر نے اس اقرار کو تسلیم نہ کیا ہو، مثلاً کسی کو اپنا بھائی یا بہن کہا ہو۔ لیکن اس اقرار سے مقَرلہ کا نسب مورث کے دوسرے قرابت داروں سے قائم نہیں ہوتا، مقرلہ محض اقرار کرنے والے کے اپنے ترکے کا حق دار ہوگا۔

جس کے حق میں نسب کا اقرار کیا جائے اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ یہ کہ اقرار کرنے والا بلا واسطہ اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے۔ جیسے کسی کے متعلق یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بیٹا یا بیٹی ہے۔ اس صورت میں پہلے اس شخص (مقرّلہ) کا نسب اقرار کرنے والے سے بلاواسطہ ثابت ہوگا اور پھر اس کے بعد غیر سے ثابت ہوگا۔ چنانچہ اقرار کرنے والا پہلے باپ قرار پائے گا اور پھر اس کا باپ دادا ہوگا۔ اس صورت میں مقَرلہ (جس کے لیے اقرار کیا گیا ہو) اقرار کرنے والے کا وارث ہوتا ہے۔

۲۔ یہ کہ اقرار کرنے والا اسی طرح نسب کا اقرار کرے کہ پہلے مقَرلہ کا نسب غیر سے ثابت ہوتا ہو اور اس کے بعد اس غیر کے واسطے سے مقر سے ثابت ہو۔ جیسے کسی کے حق میں یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بھائی، بہن یا چچا وغیرہ ہے۔ اس صورت میں پہلے نسب باپ یا دادا سے منسوب ہوگا اور ان کے واسطے سے مقر کے اقرار سے ثابت ہو کر اس کا بھائی، بہن یا چچا وغیرہ قرار پائے گا۔ یہاں اسی دوسری قسم کا مقَرلہ مراد ہے جس کے احکام مختلف ہیں۔

Marfat.com

مقرلہ کے لیے جو شرائط رکھی گئی ہیں (جن کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے) اگر وہ پائی جاتی ہوں تو احناف کے نزدیک مذکورہ بالا وُرثا کی عدم موجودگی میں وہ وارث ہوتا ہے لیکن مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب میں مقرلہ بالنسب علی الغیر کسی صورت وارث نہیں ہو سکتا۔

۸۔ ایک تہائی سے زائد وصیت کا نفاذ (The Universal Legatee)

اگر میت نے کل ترکہ کے ایک تہائی سے زائد کی وصیت کی ہو تو ایسی وصیت کو وُرثا کے مفاد کے پیش نظر رد کیا گیا تھا۔ اگر کوئی وارث موجود ہی نہ ہو تو متوفی کی وصیت پورے طور پر رُو بعمل لائی جائے گی، چاہے ترکہ کے ایک تہائی سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

۹۔ بیت المال (The State)

جب مذکورہ بالا مستحقین میں سے کوئی نہ ہو تو پھر اس میت کے وارث تمام مسلمان ہوں گے اور میت کا ترکہ بیت المال (اسلامی حکومت کے خزانہ) میں دیا جائے گا جس سے نادار مریضوں کا علاج، لقیط (گم شدہ بچہ) کا نان و نفقہ، جنایت کی دیت اور لاوارث و نادار اموات کی تجہیز و تکفین وغیرہ عمل میں لائی جائے گی۔

Marfat.com

وراثت پانے کے اسباب،
شرائط اور موانع

وراثت پانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اسباب اور شرائط پائے جائیں۔ نیز کوئی مانع بھی موجود نہ ہو۔

وراثت کے اسباب

بنیادی طور پر آج کل کے لحاظ سے وراثت سے حصہ پانے کے دو اسباب ہیں: رشتۂ نسب اور رشتۂ سبب (زوجیت)۔

ا۔ **رشتۂ نسب:** یہ کسی انسان کا وہ نسبی تعلق اور حقیقی قرابت ہے جو اسے اس کے اصول (باپ دادا) اور فروع (بیٹے پوتے) اور ان کے متعلقین کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اس میں درج ذیل افراد شامل ہیں:

ا۔ اولاد اور ان کی مذکر و مؤنث اولاد خواہ وہ کتنے ہی زیریں درجے کے ہوں۔

۲۔ باپ دادا اور ان کے اصول و آبا (والدین) اور ماں، دادی اور نانی خواہ وہ کتنے ہی بالائی درجے کے ہوں۔

۳۔ بھائی بہنیں اور حقیقی اور باپ شریک بھائی کی صرف نرینہ اولاد۔

۴۔ چچا اور ان کی صرف اولاد نرینہ۔

۲۔ **رشتۂ سبب (زوجیت):** اس میں وہ مرد و عورت شامل ہیں جن کے مابین نکاح صحیح کا تعلق ہو اور یہ مورّث کی وفات کے وقت تک قائم ہو۔ چاہے اس کے نتیجے میں زن و شوئی کے تعلقات قائم ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ چنانچہ اگر عقد صحیح کے بعد اور رخصتی سے پہلے میاں بیوی میں کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا وارث ہو گا۔ نیز اگر کسی عورت کے شوہر نے طلاق رجعی دے دی اور وہ عدت کے دوران فوت ہو گیا تو ایسی مطلّقہ شوہر کی

Marfat.com

میراث سے حصہ پائے گی۔ نکاح فاسد یا باطل میں میاں بیوی کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوتی۔

وراثت کے شرائط

کوئی شخص وراثت میں حصہ پانے کا اس وقت ہی مستحق ہو سکتا ہے، جب اس کے اندر درج ذیل شرائط پائے جائیں:

۱۔ مورّث کا فوت ہونا

تقسیم ترکہ کے لیے مورّث کا وفات پانا اور اس کی وفات کا حقیقی طور پر یا لاپتا ہونے کی صورت میں عدالتی فیصلے کی روشنی میں ثابت ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ کسی شخص کی زندگی میں اس کا مال وملکیت ترکہ نہیں بن سکتی۔

۲۔ وارث کا زندہ ہونا

کسی مورّث کا وارث وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس کی وفات کے وقت حقیقتاً یا حکماً زندہ ہو۔ چنانچہ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کی وفات کے وقت اس کی بیوی یا بہو حاملہ تھی اور مقررہ مدت کے اندر اس نے زندہ بچے کو جنم دیا تو وہ اپنے باپ یا دادا کی وفات کے وقت سے حکماً زندہ تصور کیا جائے گا، اور اس کے ترکے میں سے حصہ پانے کا حق دار ہو گا۔

۳۔ وارث کی نوعیتِ قرابت کا علم ہونا

یعنی میت کے ساتھ اس شخص کے تعلق کی نوعیت بھی یقینی طور پر معلوم ہونی چاہیے کہ اس کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔ نکاح کا تعلق ہے یا نسبی تعلق۔ نیز نسبی تعلق میں وہ اس کے ساتھ اصول (آبا) کا تعلق رکھتا ہے یا فروع کا وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ ہر تعلق کی الگ حیثیت اور حصہ ہے۔

Marfat.com

وراثت کے موانع (Impediments)

درج بالا شرائط کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ متعلقہ وارث میں وراثت پانے میں کوئی مانع (رکاوٹ) موجود نہ ہو (مثلاً قاتل یا کافر ہونا وغیرہ)۔ یہاں ان موانع کی تفصیل دی جاتی ہے۔

تعریف: وہ حالات یا اسباب جن کی وجہ سے وُرثا میں سے کوئی شخص (چاہے میت کے ساتھ نسب و قرابت داری یا نکاح کا رشتہ رکھتا ہے) از روے شریعت اپنے موّرث کے ترکہ میں سے حصہ پانے کا اہل نہیں رہتا اور کلی طور پر محروم ہو جاتا ہے "موانعِ ارث" کہلاتے ہیں۔ یہ پانچ موانع ہیں:

۱۔ غلامی (آج کے دور میں یہ موجود نہیں)

۲۔ وارث کا اپنے موّرث کو قتل کرنا

۳۔ وارث اور موّرث کا مذہب الگ ہونا

۴۔ وارث اور موّرث کا اشتباہ (پہلے فوت ہونے والے کا علم نہ ہونا)

۵۔ اختلافِ دار

پہلا مانع: غلامی (Slavery)

غلام چاہے خالص غلام ہو یا مکاتب اور مدبّر؛ وہ خود اور اس کا تمام کسب اور کمائی مال کی حیثیت میں ہے اور سب چیزیں اس کے مولیٰ (آقا) کی ملکیت میں ہیں۔ لہٰذا وہ کسی کا وارث یا مورث بننے کی اہلیت نہیں رکھتا، بلکہ عام مال ملکیت کی طرح مملوک اور ترکہ بنتا ہے۔

Marfat.com

دوسرا مانع: مورّث کا قتل (Homicide)

اگر کوئی شخص اپنے مورّث کو ناحق قتل کر دے تو قاتل مقتول کے ترکہ اور وصیت دونوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لیس لقاتل میراث[1] (قاتل مقتول کے ترکہ میں سے کچھ نہیں لے سکتا)۔ اس لیے کہ قاتل مقتول کو قتل کر کے میراث قبل از وقت حاصل کرنا چاہتا تھا جبکہ فقہی قاعدہ ہے: من استعجل شیئاً قبل أوانه عوقب بحرمانه[2] (جو شخص کسی چیز کو قبل از وقت حاصل کرنا چاہے، اسے اس سے محرومی کی صورت میں سزا دی جائے گی)۔

کسی شخص نے قتل اگر اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہو اور وہ قتل شرعاً ناجائز بھی ہو، یعنی قتل عمد ہو تو اس کے مانع ارث ہونے پر تمام فقہا کا اتفاق ہے۔ البتہ قتل کی دیگر اقسام کے بارے میں ان کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ حنفی فقہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جس قتل سے قصاص یا کفارہ لازم آتا ہے، وہ مانع ارث ہو گا، ورنہ نہیں، اس قاعدہ کی رو سے قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطا اور جاری مجری الخطا مانع ارث بنیں گے۔[3] حنفی نقطۂ نظر کے مطابق قتل کے مانع ارث بننے کے لیے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: ایک قاتل نے قتل اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہو، جیسے قتل عمد، شبہ عمد، خطا

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب القاتل لا یرث، حدیث ۲۶۴۶

۲۔ سیوطی، الأشباہ والنظائر، قاعدہ ۳۰؛ ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، قاعدہ ۱۵

۳۔ الفقہ الإسلامي وأدلته ۸: ۲۶۰؛ الموسوعة الفقهیة ۳: ۲۳

قتل عمد: جس کا بالارادہ ہونا یقینی ہو، مثلاً تیز دھار آلے سے قتل کرے جو بدن کو چیر تا کاٹتا اور جدا کرتا ہو۔

قتل شبہ عمد: جس کا بالارادہ ہونا یقینی نہ ہو، مثلاً دھار دار آلے کے بغیر کسی لاٹھی، ڈنڈے یا بھاری پتھر وغیرہ سے قتل کرے (امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہا کی رائے اس بارے میں الگ الگ ہے)۔

قتل خطا: جس میں نیت اور ارادہ شامل ہو اور غلطی، لاپروائی، غفلت یا خطا کی وجہ سے واقع ہو۔

Marfat.com

وغیرہ۔* دوسرے وہ قتل ناجائز طور پر ظلماً ہوا ہو۔ لہٰذا قتل بالسبب، کسی اور کو قتل پر اکسانے یا سچی خواہ جھوٹی گواہی دینے کی صورت میں جو قتل واقع ہو، وہ مانع ارث نہیں ہو گا۔ اسی طرح قاتل اگر نابالغ یا مجنون (پاگل) ہو، یا قتل جائز طور پر (مثلاً اپنا دفاع کرتے ہوئے) ہوا ہو تو ایسا قتل بھی وراثت میں مانع نہیں ہو گا۔

۲۔ مالکی فقہ میں صرف قتل عمد ہی مانع ارث ہے باقی اقسام نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک قتل کے مانعِ ارث ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں دو شرطیں پائی جائیں: ایک عُدوان یعنی وہ قتل شرعاً ناجائز ہو اور قاتل کے لیے کوئی قابل قبول عذر موجود نہ ہو، چاہے قتل خود اس نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہو یا وہ اس کا سبب بنا ہو یا کسی اور شخص کو اس نے قتل کے لیے اکسایا ہو یا جھوٹی گواہی دے کر اپنے موّرث کو عدالتی فیصلے کے ذریعے قتل کرایا ہو۔ دوسرے قاتل مکلّف (یعنی عاقل و بالغ) ہو۔

۳۔ شافعی فقہ میں قتل کی تمام قسمیں بلا تخصیص مانع ارث ہیں، چاہے وہ قتل عمد ہو یا خطا اور بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ، اگرچہ قاتل غیر مکلّف ہی کیوں نہ ہو (جیسے نابالغ بچہ اور پاگل شخص وغیرہ)۔ اسی طرح اگر کسی قاضی یا جج نے اپنے موّرث کے قتل کا شرعی طور پر درست فیصلہ صادر کیا، یا کسی نے اپنے موّرث پر شرعی طور پر ضروری گواہی دی یا گواہوں کا تزکیہ کیا جس کی بنا پر اس پر قصاص یا حد جاری کی گئی تو ایسی ہر صورت میں یہ تمام لوگ مقتول کے وارث نہیں بن سکیں گے۔

۴۔ حنبلی فقہ میں جس قتل پر شریعت نے مالی یا بدنی (قصاص، دیت یا کفارہ) سزا رکھی ہو وہ میراث سے محروم کر دیتا ہے جیسے "ناجائز طور پر کیا گیا قتل عمد" کہ اس پر قصاص واجب ہوتا ہے، یا قتل خطا اور قتل بالسبب، کہ ان پر دیت اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔ گویا قتل کے مانع

* تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: عودہ، عبدالقادر، التشريع الجنائي الاسلامي، دارالحدیث، القاہرہ ۲۰۰۹ء، ۲: ۱۴۴-۱۴۵

Marfat.com

ارث ہونے یا نہ ہونے کا دار و مدار امام احمد کے ہاں شارع کی طرف سے سزا مقرر ہونے پر ہے۔ اس لیے وہ قتل جس پر کسی قسم کا ضمان (تاوان) عائد نہ ہو میراث سے محرومی کا سبب نہ ہو گا، جیسے قصاص کے طور پر کیا گیا قتل یا کسی جرم کی حد میں قتل وغیرہ۔[۱]

پاکستان میں قانون مجموعہ تعزیرات کی دفعات ۳۱۵ اور ۳۱۷ کے تحت صرف قتل عمد اور شبہِ عمد کو مانع ارث اور وصیت قرار دیا گیا ہے۔

تیسرا مانع: اختلاف دین (Difference of Religion)

یہ مانع مسلمانوں کی میراث کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے مسلمان کسی غیر مسلم کا اور غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم[۲] (مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا)۔

لیکن ایک عیسائی، یہودی کا، سکھ ہندو کا (وغیرہ وغیرہ) وارث ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس قاعدے کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہو گا۔

صحابہ و تابعین اور فقہا کی بہت بڑی اکثریت کا موقف یہی ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بنے گا اور نہ کافر مسلمان کا۔ لیکن بعض فقہا کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہو گا مگر کافر مسلمان کا نہیں۔ ان کا استدلال ایک روایت سے: الإسلام یعلو ولا یُعلی[۳] (اسلام غالب رہتا ہے، کسی دوسرے مذہب کا اس پر غلبہ نہیں ہو سکتا)۔

۱۔ پہلی صورت میں قصاص اور دوسری اور تیسری صورت میں دیت اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب ۲۶، حدیث ۶۷۶۴؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب ۱، حدیث ۴۱۴

۳۔ سنن دار قطنی، کتاب النکاح، حدیث ۳۹۵؛ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبی... (تعلیقاً) ۲: ۹۳ (محدث البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے؛ صحیح الجامع الصغیر، حدیث ۲۷۷۸)

Marfat.com

یہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہؓ اور بعض تابعینؒ کی رائے ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت میراث کے بارے میں نہیں بلکہ اسلام کے عمومی غلبہ اور فتح ونصرت کے بارے میں ہے، اس لیے اس سے استدلال محل نظر ہے۔ معاصر فقیہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور یورپ فتویٰ کونسل نے بھی اسی آخری رائے کو اختیار کیا ہے۔

مرتد کی میراث

جو شخص اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے وہ بھی کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ جمہور فقہا کا قول یہ ہے کہ کوئی مسلمان رشتہ دار بھی اس کا وارث نہیں بن سکتا، بلکہ اس کا سارا ترکہ بیت المال کو دے دیا جائے گا۔ حنفی فقہا یہ تفصیل پیش کرتے ہیں کہ جو مال اس نے مرتد ہونے سے پہلے حاصل کیا تھا وہ اس کے مسلم وُرثا کو دے دیا جائے، اور جو مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا ہے وہ بیت المال کو دیا جائے۔ اور اگر مرتد عورت ہو تو اس کا تمام مال وملکیت اس کے مسلم وُرثا ہی کو دی جائے۔

چوتھا مانع: اشتباہِ وارث اور مورّث

یعنی یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون وارث اور کون مورّث ہے۔ مثال کے طور پر باپ بیٹا ایک حادثے میں اکٹھے فوت ہو گئے اور یہ پتا نہ چل سکا کہ کون پہلے فوت ہوا اور کون بعد میں۔ ایسی صورت میں ان دونوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی۔ فقہا نے اس ضمن میں ایک قاعدہ وضع کیا ہے: لا توارث بين الغرقى والحرقى والهدمى * (بیک وقت ڈوب کر یا آگ میں جل کر یا کسی مکان کے نیچے دب کر ہلاک ہونے والے ایک دوسرے کے وارث نہ بن سکیں گے)۔

* تنوير الأبصار مع الدر المختار ورد المحتار (حاشیہ ابن عابدین)، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸ء، ۱۰: ۴۵۶

Marfat.com

پانچواں مانع: اختلاف دار
(Difference of Domicile or Allegiance)

فقہ حنفی کی قدیم کتب کی رُو سے کفار کے مابین دار یعنی ملک کا اختلاف بھی مانع ارث ہے۔ یعنی ایک کافر دار الکفر میں ہو اور دوسرا دارالاسلام میں تو ان کے مابین وراثت جاری نہیں ہوگی۔ ایک شخص دارالاسلام کی حدود میں اس کا شہری ہو اور دوسرا دارالکفر کی حدود میں رہ کر وہاں کا شہری ہو تو غیر مسلم ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ جیسے حربی اور ذمی، یا ذمی اور مستأمن جو مختلف ملکوں میں ہوں کہ ایک دائرہ اسلام میں اسلامی حکومت کا مطیع ہو جزیہ دے کر یہاں کا شہری ہو اور دوسرا غیر مسلم دارالکفر کا شہری ہو، تو ایک کو دوسرے کی میراث نہیں ملے گی۔

اختلافِ دار (ملک) غیر مسلموں میں معتبر ہے، جیسے حربی، ذمی یا مستأمن۔ مسلمانوں میں اختلافِ دار (ملک) مانع ارث نہیں ہے، جیسا کہ ذکر ہوا یہ حنفی فقہا کی رائے ہے۔ باقی ائمہ کے نزدیک اختلاف دار سرے سے مانع ارث نہیں ہے۔

موجودہ دور میں مختلف ممالک کی الگ الگ قومیت (nationality) مسلمانوں کے مابین وراثت جاری ہونے میں رکاوٹ (مانع) نہیں۔

Marfat.com

وُرثا / مستحقین ترکہ

LEGAL HEIRS

تجہیز و تکفین، قرض کی ادائگی اور اجراے وصیت کے بعد ترکہ میں سے جو کچھ بچ جائے وہ میت کے مستحق وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ مستحقین کے بارے میں فقہا میں اگرچہ افراد اور ترتیب کے لحاظ سے جزوی اختلاف ہے، لیکن بحیثیتِ مجموعی وارثوں کی تین اقسام پر اتفاق پایا جاتا ہے (ان کی تفصیل ترتیب وار آگے آ رہی ہے):

۱۔ ذوی الفروض ۲۔ عصبات نسبیہ ۳۔ ذوی الارحام

وُرثا (اصحاب الفروض اور عصبات) کی تفصیلی تعداد ۲۵ ہے، جن میں سے ۱۵ مرد اور ۱۰ عورتیں ہیں۔

مرد وُرثا

بیٹا، پوتا تا آخر، باپ، دادا تا آخر، سگا بھائی، سوتیلا بھائی (باپ کی طرف سے)، سوتیلا بھائی (ماں کی طرف سے)، سگے بھائی کا بیٹا، سوتیلے (باپ کی طرف سے) بھائی کا بیٹا، سگا چچا، باپ کی طرف سے چچا، سگے چچا کا بیٹا، باپ کی طرف سے چچا کا بیٹا، شوہر، آزاد کنندہ مرد۔

وارث عورتیں

بیٹی، پوتی، (پڑپوتی)، ماں، نانی، (پرنانی)، دادی، (پردادی)، سگی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، بیوی، آزاد کنندہ عورت۔

Marfat.com

باب ۳

ذوی الفروض

SHARERS

علمِ میراث کی اصطلاح میں ذوی الفروض یا اصحاب الفروض ان وُرثا کو کہا جاتا ہے جن کے حصے کی مقدار قرآن مجید، سنتِ رسول یا اجماعِ امت سے مقرر کر دی گئی ہے۔ فروض یا فرائض فریضۃ کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں مقرر اور متعین حصہ۔ ذوی جمع ہے ذو کی، جس کے معنی ہیں والا، مالک۔ یعنی مقررہ حصہ والا وارث۔ اس طرح لغت کے اعتبار سے ذوی الفروض اگرچہ ہر حصہ دار کو کہا جاسکتا ہے لیکن علم میراث کی اصطلاح میں "ذی فرض" سے ایک متعین حصہ دار مراد لیا جاتا ہے جس کا حصہ قرآن وسنت یا اجماعِ اُمت سے ثابت ہو۔

ذوی الفروض کو وراثت کے اسباب کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (جیساکہ تفصیل گزر چکی ہے):

۱۔ **ذوی الفروض سببیہ:** ان کے تحت وہ ذوی الفروض شامل ہیں جو نکاحِ صحیح کی بنیاد پر وراثت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس میں صرف میاں اور بیوی شامل ہیں۔

۲۔ **ذوی الفروض نسبیہ:** میاں اور بیوی کے علاوہ باقی تمام ذوی الفروض اس تقسیم کے تحت آتے ہیں۔

ذوی الفروض دوسرے تمام وُرثا پر مقدم ہیں، کیونکہ اول تو خود اللہ تعالیٰ نے ان کے حصے متعین فرما دیے ہیں اور دوسرے رسول اللہ ﷺ نے تصریح فرما دی ہے کہ ذوی الفروض کو سب سے پہلے ان کے حصے دو، پھر جو بچ جائے وہ زیادہ قریبی مرد کے لیے ہے: ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقي فهو لأولى رجل ذكر (جن ورثا کے حصے مقرر ہیں انہیں ان کے حصے دو، جو بچ جائے وہ زیادہ قریبی مرد رشتہ دار کا ہے)۔ لہٰذا جب تک ان لوگوں کو ترکے میں سے حصے نہ مل جائیں، دوسری قسم کے ورثا کو کچھ نہیں ملے گا۔

Marfat.com

ذوی الفروض کو ملنے والے حصے چھ ہیں:

ا۔ نصف ۱/۲ (آدھا)	۲۔ رُبع ۱/۴ (ایک چوتھائی)
۳۔ ثُمن ۱/۸ (آٹھواں حصہ)	۴۔ ثُلثان ۲/۳ (دو تہائی)
۵۔ ثُلث ۱/۳ (ایک تہائی)	٦۔ سُدس ۱/٦ (چھٹا حصہ)

ان حصوں کے مستحقین کی تعداد ۱۲ ہے جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں جو یہ ہیں: ا۔باپ ۲۔ دادا ۳۔شوہر ۴۔اخیافی (ماں شریک) بھائی ۵۔ماں ٦۔ بیٹی ۷۔ پوتی ۸۔بیوی ۹۔ حقیقی بہن ۱۰۔ علاتی (باپ شریک) بہن ۱۱۔ اخیافی (ماں شریک) بہن ۱۲۔ جدہ صحیحہ (دادی اور نانی)۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وارث صاحبِ فرض بھی ہوتا ہے اور عصبہ بھی۔ اس صورت میں وہ پہلی حیثیت کی وجہ سے مقررہ حصہ لے گا اور دوسری حیثیت کی وجہ سے اصحاب الفروض سے باقی ماندہ بھی لے گا۔ اس بنا پر فرضیت اور عصبیت کے لحاظ سے کسی وارث کی چار حیثیتیں ہو سکتی ہیں:

ا۔ صرف صاحبِ فرض (مقررہ حصہ کا مستحق) ہو

۲۔ عصبہ (باقی ماندہ کا مستحق) ہو

۳۔ دونوں حیثیتوں کا حامل ہو (مقررہ حصہ بھی لے اور باقی ماندہ بھی)

۴۔ مجوب ہو (اسے کچھ بھی نہ ملے)۔

اس طرح کمیت (مقدار) کے لحاظ سے بھی حصوں میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ ان تمام تبدیلیوں کو ذوی الفروض کے حالات کہا جاتا ہے۔ ذیل میں دو نقشے دیے جاتے ہیں؛ پہلے نقشے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ہر حصے کے کتنے مستحقین ہو سکتے ہیں۔ دوسرے نقشے میں تفصیلی طور پر حالات اور شرائط استحقاق بیان کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

نقشہ اول: حصص اور مستحقین

حصص	تعداد مستحقین	تفصیل
آٹھواں حصہ (ثمن) ۱/۸	۱	بیوی
چوتھائی حصہ (ربع) ۱/۴	۲	شوہر، بیوی
نصف ۱/۲	۵	شوہر، ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک سگی بہن، ایک علاتی (باپ شریک) بہن۔
چھٹا حصہ (سُدس) ۱/۶	۷	ماں، باپ، دادا، جدہ صحیحہ (دادی + نانی)، پوتی، باپ شریک بہن، ایک ماں شریک بھائی یا بہن۔
تہائی حصہ (ثلث) ۱/۳	۲	ماں، ۲ یا زیادہ ماں شریک بہن بھائی
دو تہائی حصہ (ثلثان) ۲/۳	۴	۲ یا زیادہ بیٹیاں، پوتیاں، سگی بہنیں، باپ شریک بہنیں

نقشہ دوم: حالات ذوی الفروض و شرائط استحقاق

ذوی الفروض جملہ حالات	نمبر حالات	حیثیت	حصہ	شرائط
زوج (شوہر) ۲ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف ۱/۲	جب میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو (خواہ اس شوہر سے یا دوسرے شوہر سے)
	۲	ذوی الفروض	ربع ۱/۴	جب میت کی کوئی اولاد موجود ہو (خواہ اس شوہر سے یا دوسرے شوہر سے)

Marfat.com

زوجۃ (بیوی) ۲ حالتیں	۱	ذوی الفروض	ربع ۱/۴	جب میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو (خواہ اس بیوی سے یا دوسری بیوی سے)۔(ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں یہ حصہ ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا)۔
	۲	ذوی الفروض	ثمن ۱/۸	جب میت کی کوئی اولاد موجود ہو (خواہ اس بیوی سے یا دوسری بیوی سے)
بنت (بیٹی) ۳ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف	جب یہ ایک ہو اور میت کا بیٹا موجود نہ ہو
	۲	ذوی الفروض	ثلثان ۲/۳	جب یہ دو یا دو سے زیادہ ہوں اور میت کا بیٹا موجود نہ ہو۔
	۳	عصبہ بالغیر	بیٹے کا نصف	جب میت کا بیٹا موجود ہو (چاہے ایک ہو یا زیادہ)
بنت الابن (پوتی) ۶ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف	جب یہ ایک ہو اور میت کا بیٹا، بیٹی اور پوتا موجود نہ ہو۔
	۲	ذوی الفروض	ثلثان ۲/۳	جب یہ ۲ یا دو سے زیادہ ہوں اور میت کا بیٹا، بیٹی اور پوتا موجود نہ ہوں
	۳	ذوی الفروض	سدس ۱/۶	جب میت کی ایک بیٹی موجود ہو اور بیٹا اور پوتا موجود نہ ہوں
	۴	عصبہ بالغیر فی الباقی	پوتے کا نصف	جب میت کا بیٹا موجود نہ ہو اور بیٹی یا بیٹیوں کے ساتھ پوتا موجود ہو
	۵	عصبہ بالغیر فی الکل	پوتے کا نصف	جب میت کا بیٹا اور بیٹی موجود نہ ہوں اور پوتا موجود ہو
	۶	محجوب		جب میت کا بیٹا موجود ہو یا دو بیٹیاں موجود ہوں اور پوتا موجود نہ ہو
اخت لأب وأم (سگی بہن) ۵ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف ۱/۲	جب یہ ایک ہو اور میت کا سگا بھائی، باپ، دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
	۲	فرضیت	ثلثان ۲/۳	جب یہ دو یا زیادہ ہوں اور میت کا سگا بھائی، باپ، دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو

Marfat.com

	۳	عصبہ مع الغیر	بیٹی یا پوتی سے باقی	جب میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو اور سگا بھائی، باپ، دادا اور اولاد نرینہ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	۴	عصبہ بالغیر	بھائی کا نصف	جب میت کا سگا بھائی موجود ہو اور باپ، دادا اور اولاد نرینہ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	۵	محجوب	کچھ نہیں ملے گا	جب میت کا باپ دادا یا نرینہ اولاد میں سے کوئی موجود ہو (اس حالت میں سگا بھائی بھی محجوب ہو گا)
اخت لأب (باپ شریک بہن) ۷ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف ۱/۲	جب یہ ایک ہو اور میت کے سگے بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
	۲	ذوی الفروض	ثلثان ۲/۳	جب یہ دو یا زیادہ ہوں اور میت کے سگے بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
	۳	ذوی الفروض	سدس ۱/۶	جب میت کی صرف ایک سگی بہن موجود ہو اور سگا یا علاتی بھائی، باپ دادا یا اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
	۴	عصبہ مع الغیر	بیٹی یا پوتی سے باقی	جب میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو اور سگے بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	۵	عصبہ بالغیر	علاتی بھائی کا نصف	جب میت کا علاتی بھائی موجود ہو اور سگا بھائی، باپ دادا اور نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔ (میت کی بیٹی یا پوتی زندہ ہونے کی صورت میں ہی یہ عصبیت بالغیر کے تحت حصہ پائے گی)
	۶	محجوب		جب میت کی دو سگی بہنیں موجود ہوں اور علاتی بھائی موجود نہ ہو یا عصبہ شدہ ایک بہن موجود ہو۔

Marfat.com

	۷	محجوب		جب میت کا باپ، دادا، سگا بھائی یا نرینہ اولاد میں سے کوئی موجود ہو۔ (اس حالت میں علاتی بھائی بھی محجوب ہوگا)
أخ/ أخت لأم (ماں شریک بھائی اور بہن) ۲ حالتیں	۱	ذوی الفروض	۱/۶	میت کے مرد اصول (باپ، دادا) اور مرد یا عورت فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی) موجود نہ ہوں (یعنی وہ کلالہ ہو) اور بھائی یا بہن ایک ہو
	۲	ذوی الفروض	۱/۳	اگر میت کلالہ ہو، اور ان کی تعداد ۲ یا ۲ سے زیادہ ہو
أم (ماں) ۳ حالتیں	۱	ذوی الفروض	سدس ۱/۶	جب میت کی اولاد یا کسی بھی جہت کے ۲ یا زیادہ بہن بھائی موجود ہوں
	۲	ذوی الفروض	ثلث ۱/۳	جب میت کی اولاد، نیز ۲ یا زیادہ کسی بھی جہت کے بہن بھائی موجود نہ ہوں، (اگرچہ ایک بہن یا بھائی موجود ہو)
	۳	ذوی الفروض	ثلث بعد فرض الزوجین	یہ حکم دو صورتوں میں منحصر ہے: ۱۔ جب وارث بیوی، ماں، باپ ہوں ۲۔ جب وارث شوہر اور ماں، باپ ہوں
جدة صحيحة (دادی نانی) ۲ حالتیں	۱	ذوی الفروض	سدس ۱/۶	ایک یا زیادہ ہوں۔ بشرطیکہ ایک درجہ کی ہوں اور میت کی ماں موجود نہ ہو دادی کے لیے مزید شرط یہ ہے کہ میت کا باپ بھی موجود نہ ہو
	۲	محجوب		میت کی ماں موجود ہو تو سب محجوب میت کا باپ موجود ہو تو دادی محجوب دادا موجود ہو تو اس سے اوپر والیاں محجوب قریبہ موجود ہو تو بعیدہ محجوب
أب (باپ) ۳ حالتیں	۱	ذوی الفروض فقط	سدس ۱/۶	جب میت کا بیٹا، پوتا یا پڑپوتا (تا آخر سلسلہ نرینہ اولاد) موجود ہو
	۲	ذوی الفروض + عصبہ	سدس اور باقی	جب میت کی بیٹی، پوتی، یا پڑپوتی (تا آخر سلسلہ اولاد اناث) موجود ہو

Marfat.com

	۳	عصبہ فقط	کل یا باقی	جب میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو
جد صحیح (دادا) ۵ حالتیں	۱	ذوی الفروض فقط	سدس ۱/۶	جب میت کا بیٹا، یا پوتا، پر پوتا (تا آخر سلسلہ اولاد ذکور) موجود ہو، اور باپ موجود نہ ہو
	۲	ذوی الفروض + عصبہ	سدس ۱/۴	جب میت کی بیٹی، یا پوتی، پر پوتی (تا آخر سلسلہ اولاد اناث) موجود ہو اور باپ موجود نہ ہو
	۳	عصبہ فقط	کل یا باقی	جب میت کی اولاد اور باپ موجود نہ ہو
	۴	محجوب		جب میت کا باپ موجود ہو
	۵	جب دادا سگے یا باپ شریک بہن بھائیوں کے ساتھ ہو (اس کی تفصیل آگے الگ باب میں دی گئی ہے)		

Marfat.com

Marfat.com

باب ۲

عصبات

RESIDUARIES

ذوی الفروض کے بعد وُرثا کی دوسری قسم مورّث (میت) کے عصبات ہیں۔ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے، وہ عصبات کو ملے گا۔ عصبات عصبة کی جمع الجمع ہے، واحد عاصب ہے جو عصب سے ماخوذ ہے۔ عصب اس طاقت کو کہتے ہیں جو دوسری چیز پر چھا جائے، اسے گھیر لے، باندھ لے اور پابند کر دے۔ اسی لفظ عَصبة کو خاص رشتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی انسان کے باپ دادا اور بیٹے اور ان کی نرینہ اولاد، جو خاندان کے لیے پٹھوں کی مانند ہوتے ہیں، اس کا احاطہ کیے ہوتے ہیں اور اس کو کسی قانون کا پابند بناتے اور مصائب و مشکلات کے موقع پر اس کا دفاع اور مدد کرتے ہیں۔

عصبات کی اہمیت

جب حقیقت کے اعتبار سے خاندان کے مذکر افراد (باپ، دادا اور ان کی اولاد) ہی عصبہ ہیں تو ترکہ سے استحقاق میں ان کی اہمیت واضح تھی، اس لیے ان کے حصے مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ حصے تو ان وُرثا کے مقرر کیے گئے ہیں جن کے استحقاق کے بارے میں کسی طرح کوئی شبہہ ہو سکتا تھا۔ اسی حقیقت کے لحاظ سے مرد کو عصبہ بنفسہ (مستقل عصبہ) کہا جاتا ہے، اور عورت کو عصبہ بالغیر یا مع الغیر (غیر کے ذریعے یا غیر کے بل بوتے پر عصبہ بننے والی) کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

عصبہ کی اصطلاحی تعریف اور قسمیں

علم فرائض کی رو سے عصبہ وہ شخص ہے جو تنہا وارث ہو تو کل ترکہ اور اگر اصحاب الفروض کے ساتھ وارث بنے تو ان سے جو بچ رہے اس کا مستحق ہو۔ ذوی الفروض کی طرح عصبہ کی بھی ابتدائی دو قسمیں ہیں: عصبہ سببیہ اور عصبہ نسبیہ۔

عصبہ سببیہ: معتِق (غلام کو آزاد کرنے والا) ہے، جس کا ذکر ترتیب مستحقین میں ہو چکا۔

عصبہ نسبیہ کی تین قسمیں ہیں: ا۔ عصبہ بالنفس ۲۔ عصبہ بالغیر ۳۔ عصبہ مع الغیر

عصبہ بالنفس (Residuary in His Own Right)

وہ ددھیالی مرد رشتہ دار جس کا میت سے رشتہ بیان کرنے میں کسی عورت کا واسطہ درمیان میں نہ آئے۔ اس کی ترتیب وار چار اصناف (قسمیں) ہیں:

ا۔ میت کا بیٹا، پوتا، پڑپوتا تا آخر

۲۔ میت کا باپ، دادا، پردادا تا آخر

۳۔ باپ کی نرینہ اولاد، سگا یا سوتیلا (باپ شریک) بھائی، بھتیجا، تا آخر

۴۔ دادا کی نرینہ اولاد، سگا یا باپ شریک چچا، چچازاد، تا آخر

ان تمام اصناف میں میت کے دور اور نزدیک کے رشتہ دار موجود ہوتے ہیں، اور آخری دو صنفوں میں قوی القرابت (سگے) اور ضعیف القرابت (سوتیلے) کا فرق بھی واقع ہوتا ہے، لہٰذا عصبہ بنفسہ کے ترکے میں استحقاق کے لیے تین اصول مدنظر رکھے جاتے ہیں:

Marfat.com

اصول ۱

اگر ایک ہی درجے کے کئی عصبات ہوں تو الأقرب فالأقرب کے اصول پر عمل ہو گا، یعنی جو سب سے قریبی رشتہ دار ہو گا اسے سارا ترکہ مل جائے گا، باقی سب محروم ہوں گے، مثلاً کسی کا بیٹا اور پوتا دونوں موجود ہوں تو اگرچہ دونوں صنفِ اول (جزمیت) کے عصبہ ہیں لیکن بیٹے کا رشتہ زیادہ قریب کا ہے، کیونکہ پوتے کا رشتہ بیٹے کے واسطے سے قائم ہوتا ہے، اس لیے وہ دور کا عصبہ ہوا۔ لہٰذا سارا ترکہ بیٹے کو ملے گا اور پوتا مجوب ہو گا۔ خواہ وہ اسی بیٹے کا بیٹا ہو یا کسی دوسرے بیٹے کا۔*

اصول ۲

اگر ایک ہی درجے کے کئی عصبات ہوں اور قرابت کے لحاظ سے بھی مساوی حیثیت کے حامل ہوں، مثلاً سب بیٹے ہوں یا سب پوتے ہوں یا سب پڑپوتے ہوں تو ہر ایک کو برابر برابر حصہ دیا جائے گا۔

اصول ۳

اگر تمام عصبات ایک ہی درجے کے ہوں، رشتے میں ایک ہی نمبر پر ہوں لیکن رشتے کی نوعیت میں فرق ہو تو جو زیادہ قوی قرابت رکھتا ہو، ترکہ اس کو ملتا ہے، دوسرے مجوب ہوتے ہیں۔ مثلاً: سگے بھائی اور سوتیلے بھائی ہوں تو ترکہ سگے بھائی کو ملے گا، اور سوتیلا بھائی مجوب ہو گا، اسے کچھ نہ ملے گا۔ یا اگر سگے چچا اور سوتیلے چچا ہوں تو سگے چچا کو ترکہ ملے گا سوتیلے کو نہیں ملے گا۔

مزید وضاحت درج ذیل نقشے میں دیکھیں:

---

* یتیم پوتے کی وراثت کے بارے میں مسلم فیملی لا آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ پر تبصرہ اس باب کے آخر میں ملاحظہ ہو

Marfat.com

درجہ اول۔ **میت کے فروع:** میت کی نرینہ اولاد، یعنی بیٹا، وہ زندہ نہ ہو تو پوتا، وہ نہ ہو تو پڑپوتا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔
درجہ دوم۔ **اصل میت:** میت کا باپ، وہ زندہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو پر دادا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔
درجہ سوم۔ جزء **اصل قریب:** میت کے باپ کی نرینہ اولاد، سگا بھائی، پھر سوتیلا (باپ شریک) بھائی، یہ نہ ہو تو سگے بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا، یہ نہ ہو تو پھر سگے بھائی کا پوتا، پھر سوتیلے بھائی کا پوتا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔
درجہ چہارم۔ جزء **اصل بعید:** میت کے دادا کی نرینہ اولاد، سگے چچا، پھر سوتیلے چچا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا پوتا، پھر سوتیلے چچا کا پوتا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا پڑپوتا آخر تک اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

عصبہ بالغیر (Residuary in Another's Right)

یہ وہ چار عورتیں ہیں جو اپنے بھائی کی موجودگی میں ان کے ساتھ بحیثیت عصبہ ترکہ پاتی ہیں، بیٹی، پوتی، سگی بہن اور سوتیلی (باپ کی طرف سے) بہن۔ جب ان کے بھائی بھی موجود ہوں تو ان کے اپنے مقررہ حصے (۱/۲ یا ۲/۳) کے بجائے للذکر مثل حظّ الانثیین (یعنی مرد کو عورت کا دوگنا حصہ ملے گا) کے اصول کے مطابق اپنے ہم درجہ بھائیوں کا آدھا ملے گا، لیکن پوتی پوتے کے ساتھ بھی عصبہ بالغیر بنتی ہے اور بعض اوقات پڑپوتے کے ساتھ بھی۔ باقی تین عورتیں صرف اپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی عصبہ بنتی ہیں۔ ان چار کے علاوہ کوئی اور عصبہ بالغیر نہیں بنتا۔ لہٰذا بھتیجیاں، بھانجیاں اور پھوپھیاں اپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بالغیر نہیں بنیں گی۔ اس لیے کہ عصبہ بالغیر صرف وہ عورتیں بنتی ہیں جو ذوی الفروض ہوں جبکہ مؤخر الذکر عورتیں ذوی الفروض نہیں بلکہ ذوی الارحام ہیں۔

Marfat.com

اولادِ میت کے احکام

اولادِ میت میں عصبہ بالغیر کا سلسلہ کسی حد پر ختم نہیں ہوتا، اس لیے ان کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ سلسلہ اولاد میں آخر تک ہر مذکر عصبہ بنفسہ ہے اور ہر مؤنث اگر تنہا ہو تو اصحاب الفروض میں سے، اور اپنے بھائی کے ساتھ ہو تو عصبہ بالغیر ہے۔

۲۔ ہر اولاد جو میت سے صرف کسی عورت کے واسطے سے تعلق رکھتی ہو (خود مذکر ہو یا مؤنث)، ذوی الارحام شمار ہو گی۔

۳۔ عصبہ بنفسہ جس درجے میں بھی ہو اپنے سے نیچے درجے کے ہر مذکر و مؤنث کو محجوب کر دے گا، اور اپنی ہم درجہ، بیٹیوں، پوتیوں، نیز اوپر کی ان پوتیوں کو عصبہ بالغیر بنائے گا جن کو ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے کچھ نہ ملا ہو۔ (مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے میں دو یا زائد بیٹیاں اور ایک یا زیادہ پوتیاں ہوں تو اس صورت میں ۲/۳ بیٹیوں کا حصہ ہے اور پوتیوں کو وراثت میں سے کچھ نہیں ملے گا، البتہ اگر پوتیوں کے ساتھ پوتا یا پڑپوتا موجود ہو تو وہ اس کے ساتھ عصبہ بالغیر بن جائیں گی، اور بیٹیوں کو ان کا حصہ دینے کے بعد بچ رہنے والا ترکہ ان میں للذکر مثل حظ الأنثيين کے اصول کے مطابق تقسیم ہو گا)۔

۴۔ بیٹی یا پوتی ہو تو نصف ۱/۲ اور اس سے نیچے درجے والی سدس ۱/۶ کی مستحق ہو گی، پھر اس سے نیچے تمام درجے محجوب ہوں گے۔ البتہ اگر نیچے کسی بھی درجے میں پوتا موجود ہو تو وہ اپنے برابر والی اور اوپر کی حصہ نہ پانے والی پوتیوں کو اپنے ساتھ باقی ترکے میں للذکر مثل حظ الأنثيين کے طریقے سے شریک بنائے گا اور نیچے والے محجوب رہیں گے۔

Marfat.com

۵۔ ۲ بیٹیاں یا پوتیاں ہوں تو وہ ثلثان ۳/۲ کی مستحق ہوں گی اور ان سے نچلے درجے کی پوتیاں محجوب ہوں گی۔ البتہ اگر نیچے کسی بھی درجے میں پوتا موجود ہو تو وہ مذکورہ طریقے سے اپنے برابر والی اور اوپر والی حصہ نہ پانے والی پوتیوں کو عصبہ بالغیر بنائے گا۔

مثال: میت (زید)

درجات	حامد	محمود	منصور
۱	پوتی		
۲	پوتی	پوتی	
۳	پوتی	پوتی	پوتی
۴		پوتی	پوتی
۵			پوتی

تشریح

متوفی زید کی نو پوتیاں ہیں، جو تین بیٹوں (حامد، محمود اور [فوت شدہ] منصور) کی اولاد ہیں، اور مختلف درجات میں واقع ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہیں تو زید کے ترکے میں سے پہلے درجے کی پوتی کو نصف ۲/۱ دوسرے درجے کی دو پوتیوں کو سدس ۶/۱ ملے گا۔ پھر ان سے نیچے کے درجات میں چونکہ پوتیاں موجود نہیں، اس لیے بچ جانے والا ترکہ بھی انہی تینوں پر (ان کے حصوں کے مطابق) لوٹا دیا جائے گا اور نیچے والی چھ پوتیاں محجوب ہوں گی۔ البتہ اگر ان حصہ پانے والی پوتیوں سے نیچے کسی بھی درجے میں کوئی پوتا موجود ہو تو پھر باقی ماندہ ترکہ اس پوتے اور اس کے برابر اور اوپر محجوب ہونے ہونے والی پوتیوں میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق تقسیم ہو گا، اور پوتے سے نیچے والی پوتیاں محروم رہیں گی۔ مثلاً اگر منصور کا کوئی پوتا درجہ چہارم میں موجود ہو تو اس صورت میں صرف ایک پوتی (درجہ پنجم والی) محجوب ہو گی۔

Marfat.com

مذکورہ مثال میں اگر میت کی ایک بیٹی بھی زندہ ہوتو اس کو نصف ۲/۱ اور پہلے درجے کی پوتی کو سدس ٦/١ ملے گا۔ اس کے بعد تمام پوتیاں (پوتے کی عدم موجودگی میں) محجوب ہوں گی۔ اگر میت کی دو بیٹیاں زندہ ہوں تو پہلے درجے کی پوتی بھی (پوتے کی عدم موجودگی میں) محجوب ہو گی۔ اس لیے کہ بیٹیاں ثلثان ۳/۲ کی مستحق ہوں گی۔

مثال ۱: میت (حامد) کل حصے ٦

۲بیٹیاں	۳/۲	٦ = ۲ + ۴
پوتی	محروم	

لیکن اگر اس مثال میں میت کا پوتا یا پڑپوتا موجود ہو تو پوتی / پوتیاں اس کے ساتھ عصبہ بالغیر قرار پائیں گی:

مثال ۲: کل حصے ٦

بیٹیاں	۳/۲	۴
پوتا / پڑپوتا پوتی / پوتیاں	عصبہ دو۔ایک کی نسبت سے	۲

لیکن جہاں بیٹی ایک ہو، وہاں پوتی کا حصہ ٦/۱ ہوتا ہے، اگر اس کے ساتھ ہم درجہ پوتا پڑپوتا نہ ہو، تو پوتی اس ہم درجہ پوتے کے ساتھ عصبہ بالغیر ٹھہرے گی۔ اگر پڑپوتا ساتھ ہو تو پوتی اپنا حصہ ٦/۱ لے گی، جبکہ پڑپوتا عصبہ قرار پائے گا۔

مثال ۳: (کل حصے ۴)

ایک بیٹی	۲/۱	۳
پوتی	٦/۱	۱

Marfat.com

مثال ۴: (کل حصے ۲)

ایک بیٹی	۱/۲	۱
پوتی اور پوتا	عصبہ (باقی)	۱

مثال ۵: (کل حصے ۶)

ایک بیٹی	۱/۲	۳
پوتی	۱/۶	۱
پڑپوتا	عصبہ	۲

عصبہ مع الغیر (Residuary with Another)

ان سگی اور (باپ کی طرف سے) سوتیلی بہنوں کو کہتے ہیں جو بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ مل کر حدیث اجعلوا الأخوات مع البنات عصبة* (بہنوں کو بیٹیوں / پوتیوں کے ساتھ عصبہ شمار کرو) کے مطابق ذوی الفروض سے بچ رہنے والے ترکے کی مستحق ہوتی ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ساتھ ان کے بھائی نہ ہوں، ورنہ وہ عصبہ بالغیر کا حصہ پائیں گی۔ قوی قرابت کی ترجیح یہاں بھی ملحوظ ہوگی، لہٰذا سگی بہن کی موجودگی میں (باپ شریک) سوتیلے بھائی بہن محجوب ہوں گے۔

ضروری تنبیہ

عصبہ مع الغیر کی صورت میں بیٹی یا پوتی کا اپنا حصہ ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ وہ اور دیگر اصحاب الفروض اپنا مقررہ حصہ وصول کریں گے۔ اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ (سگی یا باپ

---

* امام بخاری نے اس قاعدے کو باب کا عنوان بنایا ہے اور اس میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس مضمون کی دو احادیث روایت کی ہیں: صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب ۱۲: اجعلوا الأخوات مع البنات عصبة

Marfat.com

شریک) بہنوں میں تقسیم ہو گا؛ جبکہ عصبہ بالغیر کی صورت میں بیٹی یا پوتی یا بہن کا اپنا حصہ ختم ہو جاتا ہے اور اپنے بھائی کی نسبت آدھا حصہ وصول کرتی ہے۔

مسئلہ مشترکہ / حماریہ*

تقسیم ترکہ کے سلسلے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ تقسیم کا آغاز ذوی الفروض سے کیا جائے۔ ان کو مقررہ حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ عصبات میں تقسیم کیا جائے۔ زیر نظر مسئلہ ایک استثنائی صورت ہے اور عصبات کو بعض ذوی الفروض کے ساتھ ان کے حصے میں شریک کیا گیا ہے۔ مسئلے کی صورت درج ذیل ہے:

متوفیٰ نے اپنے پیچھے درج ذیل وُرثا چھوڑے:

شوہر، ماں، ۲ ماں شریک (اخیافی) بھائی یا بہنیں اور ایک یا زیادہ سگے بھائی۔

قاعدے کی رو سے سگے بھائی عصبہ قرار پاتے ہیں اور ترکہ ذوی الفروض میں پورا تقسیم ہو جانے کی وجہ سے ان کے لیے کچھ نہیں بچتا۔

اصل مسئلہ ۶

۱	شوہر	۱/۲	۳
۲	ماں	۱/۶	۱
۳	۲ ماں شریک بھائی / بہنیں	۱/۳	۲
۴	۲ سگے بھائی	عصبہ	ان کے لیے کچھ نہیں بچا

اس مسئلے کے حوالے سے صحابہؓ اور بعد کے فقہا کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور اُبی ابن کعبؓ کی رائے کے مطابق ترکہ اصل قاعدے کے

* الموسوعة الفقهية ۳: ۴۵-۴۶

Marfat.com

مطابق تقسیم ہوگا اور سگے بھائیوں کو ماں شریک بھائی بہنوں کے ساتھ ان کے حصے میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ یہی رائے حنفی اور (راجح قول کے مطابق) حنبلی فقہا نے اختیار کی ہے۔

حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ نیز حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق سگے بھائیوں کو ماں شریک بھائیوں کے ساتھ ایک تہائی (۱/۳) میں شریک کیا جائے گا۔ (اسی لیے اس مسئلے کو مسئلہ 'تشریک یا مشترکہ اور مشرّکہ کا نام دیا گیا ہے)۔ یہ رائے مالکی اور شافعی فقہا نے اختیار کی ہے۔

یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے جب دوسری مرتبہ پیش ہوا تو انہوں نے حسبِ سابق سگے بھائیوں کے میراث سے محروم ہونے کا فیصلہ دیا، جس پر بھائیوں نے عرض کیا: امیر المؤمنین، فرض کریں، ہمارے والد کی حیثیت حمار (گدھے) یا ایک بے وقعت پتھر (حجر) کی تھی جسے دریا برد کر دیا گیا ہو، دیکھیے، کیا ہم ایک ہی ماں کی اولاد نہیں؟! چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور سگے بھائیوں کو، ماں ایک ہونے کی حیثیت سے اخیافی بھائیوں کے حصے میں برابر کا شریک کر دیا (اس مناسبت سے اس مسئلے کو "حماریہ" اور "حجریہ" کا نام بھی دیا گیا ہے)۔

Marfat.com

یتیم پوتے کی وراثت

پاکستان میں یتیم پوتے کی وراثت سے متعلق قانون مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ نمبر ۴ ہے جس کی رو سے دادا اور نانا کے ان پوتوں اور پوتیوں اور نواسوں اور نواسیوں کو دادا اور نانا کا وارث قرار دیا گیا ہے جن کے باپ یا ماں مورّث (دادا/ نانا) کی زندگی میں وفات پاگئے ہوں۔ مذکورہ دفعہ کا متن درج ذیل ہے:

> وراثت شروع ہونے سے قبل مورّث کے کسی لڑکے یا لڑکی کی موت کی صورت میں ایسے لڑکے یا لڑکی کی اولاد، اگر ہو، جو وراثت شروع ہونے پر زندہ ہو، بحصہ رسدی اس حصے کے برابر حصہ پائے گی، جو ایسا لڑکا یا لڑکی اگر زندہ ہوتے تو پاتے۔

اس دفعہ کے اندر قرآن کے چار صریح اصولوں کی خلاف ورزی معلوم ہوتی ہے:

۱۔ قرآن ایک مورّث کے ترکے میں صرف ان رشتہ داروں کے حصے مقرر کرتا ہے جو مورّث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں؛ لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ بعض اُن رشتہ داروں کو حصہ دلواتی ہے جو مورّث کی زندگی میں وفات پاچکے ہیں۔ گویا اس دفعہ کی رُو سے پہلے یہ فرض کیا جائے کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مورّث کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر واقعی زندہ رشتہ داروں کے ساتھ ان کا حصہ نکالا جائے گا۔ پھر ان کا حصہ نکالتے ہی انہیں مردہ تسلیم کرلیا جائے گا اور آگے ان کے وارثوں میں وہ تقسیم کیا جائے گا۔

۲۔ قرآن کریم میں جن رشتہ داروں کے حصے مقرر کیے گئے ہیں، ان میں بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ ماں باپ، بیوی، شوہر اور مورّث کے کلالہ ہونے کی صورت میں بھائی اور بہن بھی شامل ہیں؛ لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ ان میں سے صرف بیٹوں اور بیٹیوں کو اس امتیاز کے لیے منتخب کرتی ہے کہ مورّث کی زندگی میں مرجانے کے باوجود وہ حصہ وصول کرنے

Marfat.com

کے لیے مورث کی موت کے وقت زندہ فرض کیے جائیں اور پھر آگے حصہ تقسیم کرنے کے لیے مردہ تسلیم کر لیے جائیں۔

۳۔ قرآن کی رو سے ایک مورّث کے ترکے میں اس کے تمام بیٹے اور بیٹیوں کا حق ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں، بالغ ہوں یا نہ ہوں؛ لیکن اس آرڈیننس میں مزید امتیاز برتا گیا ہے کہ جو بیٹے اور بیٹیاں مورّث کی زندگی میں لاولد مر گئے ہوں ان کو تو حصہ وصول کرنے کے لیے زندہ فرض نہیں کیا جائے گا، البتہ جو اولاد چھوڑ گئے ہوں ان کا حصہ وصول کیا جائے گا۔

۴۔ یہ آرڈیننس مزید امتیاز یہ برتا ہے کہ فوت شدہ صاحب اولاد بیٹوں اور بیٹیوں کی بھی صرف اولاد کو حصہ پہنچتا ہے۔ حالانکہ قرآن کی رو سے اگر مورّث کے مال میں ان کا کوئی حق ہے تو پھر وہ ان کی ماں یا ان کے باپ اور ان کی بیوی یا ان کے شوہر کو پہنچتا ہے۔ مثلاً ایک متوفیٰ بیٹی کا حصہ نکالا جائے تو اس کا شوہر بھی حق دار ہے اگر وہ زندہ ہو، اور اس کی ماں بھی حقدار ہے اگر وہ متوفیٰ باپ سے حصہ پا رہی ہو، اور اس کا باپ بھی حق دار ہے اگر وہ متوفیٰ ماں سے حصہ پا رہی ہو۔ نانا سے صرف نواسوں اور نواسیوں کا حصہ دلوانا اور دوسرے وارثوں کا چھوڑ دینا قرآن کے احکام کے منافی ہے۔

جواز کی دلیل کا جائزہ

ان سوالات کے جواب میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام نئے مفروضات اور قاعدے صرف قرآن کے اس منشا کو پورا کرنے کے لیے کیے گئے ہیں کہ یتامیٰ کی مدد کی جائے۔ اگرچہ بجائے خود یہ قاعدے اور مفروضے قرآن سے ماخوذ نہیں ہیں، لیکن یہ عذر دو وجوہ سے بالکل غلط ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا قانونِ میراث سرے سے اس اصول پر مبنی ہی نہیں ہے کہ کسی پر رحم کھا کر اس کی مدد کی جائے، ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ قرآن ایک مال دار رشتہ دار کو میراث کا حق پہنچاتا، محض اس بنا پر قاعدے کے مطابق

Marfat.com

حق دار رشتوں کے دائرے میں آتا ہے، اور ایک انتہائی مفلس اور قابلِ رحم رشتہ دار کو محروم رکھنا محض اس بنا پر کہ وہ قاعدے کے مطابق حق دار رشتوں کے دائرے میں شامل نہیں ہے۔ ایک اپاہج مفلس بھائی کو محروم کرنا اور ایک دولت مند بیٹے کو دولت مند باپ کی جائداد کا وارث بنانا بالکل غلط ہو جاتا؛ اگر قانون میراث بنانے سے قرآن کا منشا یہ ہوتا کہ حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔ دوسری وجہ جس کی بنا پر یہ عذر قطعاً غلط ہو گا، یہ ہے کہ اگر فی الواقع قرآن کا ایسا کوئی منشا ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد دادا اور نانا کی میراث میں ان کو حصہ دار بنا کر کی جانی چاہیے تو آخر امر اس میں کیا مانع تھا کہ قرآن اپنے اس غامض منشا کو ایک صاف حکم کے ذریعے سے کھول دیتا۔ اگر قرآن نے نہیں کھولا تھا تو یہ منشا نبی ﷺ سے مخفی نہیں رہنا چاہیے تھا، آپ نے ایسا حکم کیوں نہ دیا؟ اگر حضور ﷺ نے اس کو نہیں کھولا تھا تو آخر کیا معقول وجہ تھی کہ چودہ صدیوں میں اسلام کے سارے فقہا سے مخفی رہ گیا۔

مسئلے کا صحیح حل

باپ کی زندگی میں فوت ہو جانے والے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کو جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان کو حل کرنے کا صحیح طریقہ بارہا علما کی طرف سے پیش کیا جا چکا ہے۔ یہ حل ایک تو دادا اور نانا کی طرف سے یتیم پوتے اور نواسے کے حق میں اپنی زندگی میں ہبہ کی صورت ہے جو پوری جائداد کا بھی ہو سکتا ہے، اور دوسرا وصیت کے ذریعے ہے جو ایک تہائی جائداد تک ہو سکتی ہے۔ اگر دادا یا نانا اپنی زندگی میں یہ انتظام نہ کرے تو قانون کے ذریعے عدالت کو اس کا مجاز کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایسی صورت پیش آنے پر دادا یا نانا کی جائداد سے ایک تہائی تک

Marfat.com

جتنا حصہ مناسب سمجھے یتیم پوتے تک پہنچادے۔ مصر میں یہی صورت اختیار کی گئی ہے۔[1] اس مسئلے کے بارے میں مزید تفصیل کتاب کے دوسرے حصے میں "وصیت" واجبہ اور یتیم پوتے کی وراثت" کے تحت ملاحظہ ہو۔

مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی اس دفعہ ۴ کو قرآن وسنت سے متصادم ہونے کی بنا پر پہلی دفعہ پشاور ہائی کورٹ کے شریعت بنچ کے روبرو مسماۃ فرشتہ بنام سرکار مقدمہ میں چیلنج کیا گیا۔ چنانچہ پشاور ہائی کورٹ نے ۱۹۷۹ء میں اس دفعہ کو قرآن وسنت کی تعلیمات کے منافی قرار دیتے ہوئے یہ فیصلہ دیا:

To sum up we are of the considered opinion that section 4 of the Muslim Family Laws Ordinance is against the injunctions of Islam and that it should be repealed.[2]

بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس کی دفعہ ۴ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے اور اسے کالعدم قرار دیا جائے۔

بعد ازاں ۱۹۸۰ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے پشاور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کو دائرہ سماعت نہ ہونے کی بنا پر کالعدم قرار دے دیا۔ ۱۹۸۰ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا، لیکن دیگر تین قوانین کے ساتھ ساتھ شخصی قوانین کو اس کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے فیڈرل شریعت کورٹ اس پر غور وخوض نہ کر سکی، بعد ازاں سپریم کورٹ کے دیے گئے چند فیصلوں کی بنیاد پر وفاقی شرعی عدالت نے ۲۰۰۰ء میں مقدمہ

۱۔ مسلم فیملی لا آرڈیننس پر پاکستان کے علما کا تبصرہ (کتابچہ) مرتبہ میاں طفیل محمد، صفحات ۶-۹، مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: مفتی محمد شفیع، جواہر الفقہ، مکتبہ دار العلوم، کراچی ۲: ۴۸۱- ۴۹۴

۲۔ PLD 1980 Peshawar 47

Marfat.com

بعنوان اللہ رکھا بنام سرکار میں دفعہ ہذا کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے اسے قرآن و سنت کے منافی قرار دیا۔

63. In view of the foregoing discussion we hold that the provision contained in section 4 of the Muslim Family Laws Ordinance, 1961, as presently in force, is repugnant to the Injunctions of Islam and direct the President of Pakistan to take steps to amend the law so as to bring the said provision in conformity with the Injunctions of Islam. We further direct that the said provision which has been held repugnant to the Injunctions of Islam shall cease to have effect from 31st day of March, 2000.*

اس بحث کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ موجودہ شکل میں اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ چنانچہ ہم صدر پاکستان کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اس دفعہ کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کی خاطر مذکورہ قانون میں ترمیم کے لیے اقدامات کریں۔ مزید یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا شق، جسے اسلامی تعلیمات سے متصادم قرار دیا ہے، ۳۱ مارچ ۲۰۰۰ء سے غیر مؤثر اور ناقابل عمل تصور ہو گی۔

حکومت پاکستان نے وفاقی شرعی عدالت کے خلاف سپریم کورٹ اپلیٹ بنچ میں اپیل دائر کر دی جو تا حال زیر سماعت ہے۔ اپلیٹ بنچ کے حتمی فیصلے تک آئین کی رو سے وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ رو بعمل نہیں آسکتا۔

* اللہ رکھا بنام سرکار، PLD 2000 FSC

Marfat.com

Marfat.com

باب ۵

دادا (جد صحیح) کا میت کے حقیقی یا علاتی بہن بھائیوں کے ساتھ وراثت میں حصہ

اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا (جد صحیح true grandfather) باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس کو وہی حصہ ملتا ہے جو باپ کو ملتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں جد کو أب (باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث نبویہ میں بھی دادا کے لیے أب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ میراث میں دادا کے باپ کے قائم مقام ہونے کے متعلق صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کی رائے ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا اس کی جگہ لے گا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کا اس سے اختلاف منقول نہیں۔ *

چنانچہ جب کسی میت کا باپ موجود ہوگا، دادا میراث نہ پائے گا۔ اسی طرح ہر جد قریب دُور کے جد کا میراث سے حاجب (محروم کنندہ) ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود کہ میراث میں باپ ہی کی طرح دادا کی تین حالتیں ہیں، وہ چند مسائل میں باپ سے مختلف بھی ہے، مثلاً:

ا۔ باپ کسی صورت میں میراث سے محجوب (محروم) نہیں ہوتا، چنانچہ جب میراث کا کوئی امر مانع موجود نہ ہو تو کوئی دوسرا قرابت دار اس کو وراثت سے محروم نہ کر سکے گا۔ لیکن

---

* صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث الجد مع الأب والإخوة ۲: ۹۹۸

Marfat.com

دادا باپ کے موجود ہونے سے محجوب ہو جاتا ہے جو کہ حجب حرمان کے درجہ کا ہوتا ہے، اسی طرح جد قریب جد بعید کے لیے حاجب ہوتا ہے۔

۲۔ باپ کے ساتھ باپ کی ماں وارث نہ ہوگی جس طرح ہر جد کے ساتھ اس کے باپ کی ماں وارث نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی میت کا جد (دادا) موجود ہو اور اس کے ساتھ میت کے باپ کی ماں بھی موجود ہو تو اس صورت میں وہ وارث ہوگی۔

۳۔ مسئلہ غرّاویہ، یعنی جبکہ میت کے والدین اور شوہر یا بیوی (جیسی صورت ہو) میں سے ایک موجود ہو تو زوجین میں سے کسی ایک کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا ایک تہائی ماں کو ملے گا، کل ترکہ کا تہائی نہ ملے گا؛ لیکن اگر اس مسئلے میں باپ کی جگہ دادا موجود ہو تو ماں کل ترکہ کا ایک تہائی لے گی، کیونکہ میت کی ماں جد کی نسبت میت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ * البتہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک ایسی صورت میں بھی میت کی ماں کو باقی کا تہائی ہی دیا جائے گا۔

۴۔ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ کی موجودگی میں میت کے ہر قسم کے بھائی بہن محجوب ہو جائیں گے، لیکن اگر باپ موجود نہ ہو اور دادا موجود ہو تو اخیافی بھائی بہن محجوب ہوں گے؛ اس پر اجماع ہے۔ البتہ حقیقی یا علاتی بھائی بہن کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ کا جن میں حضرت علیؓ و زیدؓ و ابن مسعودؓ شامل ہیں، یہ مذہب ہے کہ دادا کے ساتھ حقیقی و علاتی بھائی بھی وارث ہوں گے، اگر میت کے اولاد نہ ہو۔ اسی کو امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، ابویوسفؒ، محمد بن حسن الشیبانیؒ، ابن ابی لیلیٰؒ اور ابن شبرمہؒ نے اختیار کیا ہے۔

* ابوزہرہ، أحکام الترکات والمواریث، ص ۸۵– ۱۸۲؛ جرجانی، سید شریف، الشریفیة شرح السراجیة، ص ۱۹

Marfat.com

البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باپ کی غیر موجودگی اور دادا کی موجودگی میں تمام قسم کے بھائی بہن (بشمول حقیقی اور علاتی بھائی بہن) ساقط ہو جائیں گے۔[1] (اس کی تفصیل درج ذیل ہے)۔

میت کے حقیقی یا علاتی بھائی اور دادا

جبکہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاتی بھائی بہن یا صرف بھائی یا بہنیں موجود ہوں تو اس حالت میں دادا کی میراث کا کیا حکم ہو گا؟ اس مسئلے میں خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے درمیان بھی خاصا اختلاف رہا ہے۔

شریفیہ (شرح سراجیہ) میں لکھا ہے کہ "ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر چند صحابہ بشمول ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ابن عمرؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، ابو سعید خدریؓ، ابی بن کعبؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ وغیرہ کا قول ہے کہ حقیقی اور علاتی بھائی بہن دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتے، (جیسا کہ وہ باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتے) بلکہ باپ کی طرح دادا کل ترکہ لے لیتا ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے، نیز اکثر تابعین بشمول شریحؒ، عطاؒ، عروہ بن زبیرؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اس کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا: زید بن ثابت اللہ سے نہیں ڈرتے، وہ پوتے کو بیٹے کا قائم مقام قرار دیتے ہیں مگر دادا کو باپ کا قائم مقام قرار نہیں دیتے! مطلب یہ ہے کہ بھائیوں کے مقابلے میں میت سے قرب و بعد کی جو نسبت پوتے کو ہے وہی نسبت دادا کو ہے، یعنی دونوں میں وراثت کی علت مشترک ہے۔ لہٰذا دونوں کا حکم بھائیوں کے محجوب کرنے کے سلسلے میں ایک ہونا چاہیے۔

۱۔ ابوزہرہ، أحکام التراث والمواریث، ص۱۷۹؛ جرجانی، الشریفیۃ، ص۱۹

۲۔ الشریفیۃ، ص۸۲

Marfat.com

چنانچہ جس طرح پوتا بجائے بیٹوں کے بھائیوں کے لیے حاجب ہوتا ہے اسی طرح دادا باپ کی جگہ لے کر بھائیوں کے لیے حاجب ہونا چاہیے۔[۱]

چنانچہ قاضی شُریح، عمر بن عبد العزیز، حسن بصری، داوٗد بن علی الظاہری، عطا، عروۃ ابن زبیر، ابن سیرین اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ نے ان صحابہؓ کا قول اختیار کیا جو کہتے ہیں کہ ہر قسم کے بھائی بہن دادا کے مقابلے میں وراثت سے محروم ہوں گے۔[۲] امام سرخسیؒ نے حضرات ابو بکر صدیق، ابن عباس، عائشہ صدیقہ، اُبی ابن کعب، ابو موسیٰ اشعری، عمران ابن حصین، عبد اللہ بن زبیر اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ ظاہر کیا ہے کہ آپ اس مسئلے میں آخر تک کوئی رائے قائم نہ کر سکے تھے۔[۳]

اس کے برخلاف حضرت علی بن ابی طالب، زید بن ثابت اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور اکثر صحابہؓ کا قول ہے کہ دادا، جبکہ میت کی اولاد موجود ہو، باپ کی طرح ہے اور جب اولاد موجود نہ ہو بلکہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاتی (پدری) بھائی ہوں تو وہ باپ کی طرح ان لوگوں کا حاجب نہ ہو گا بلکہ علاتی بہن بھائی اس کے ساتھ وارث ہوں گے، البتہ دادا اخیافی (ماں شریک) بھائی بہنوں کا حاجب ہو گا۔[۴] یہی مذہب سفیان ثوری اور حنفی فقہا میں سے امام ابو یوسف و محمد بن حسن الشیبانی، امام مالک اور شافعی رحمہا اللہ کا ہے۔ اس مسئلے میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے دو روایتیں ہیں، لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زید کے موافق ہیں۔

۱۔ ایضاً

۲۔ عمر عبد اللہ، أحکام المواریث في الشریعة الإسلامیة، ص۱۹۵؛ الشریفیة، ص۸۲

۳۔ المبسوط ۲۹: ۸۰- ۱۷۹؛ الشریفیة، ص۸۴

۴۔ الشریفیة، ص۸۲- ۸۴

Marfat.com

مقاسمة الجد میں طریق توریث

علم میراث میں دادا کی موجودگی میں بھائی کی میراث کے لیے مقاسمة الجد کی اصطلاح رائج ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ دادا کے ساتھ اگر میت کے بھائی بہن بھی موجود ہیں تو دادا کو بھی ایک بھائی کا حصہ دیا جائے، نہ یہ کہ دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن بالکل محروم کر دیے جائیں، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ صاحبین اور ان کے متبعین مذہب کے نزدیک دادا کے ساتھ بھائی بہن موجود ہوں تو بھائی بہن بھی وارث ہوں گے اور دادا کو ایک بھائی کی حیثیت سے شریک کیا جائے اور للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق میراث کی تقسیم ہو گی۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دادا درجہ دوئم کا عصبہ ہے جبکہ بھائی درجہ سوم کا عصبہ ہے۔ اس لیے الأقرب یَحجُب الأبعد کی بنیاد پر دادا کی موجودگی میں بھائی کو ترکہ میں سے حصہ نہیں ملنا چاہیے۔

مقاسمة کا لفظ باب مفاعلہ سے ہے جو قسمت (تقسیم) سے ماخوذ ہے۔ یہاں اس سے وُرثا کا باہم ایک دوسرے کے مقابلے میں ترکے کو اپنے لیے تقسیم کرالینا یا کرلینا مراد ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ حضرت ابو بکر صدیق، ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر، حذیفہ ابن یمان، ابو سعید حذری، ابی ابن کعب، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری اور عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا مذہب اختیار کیا ہے کہ میت کے دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن میراث سے محروم ہوں گے، دادا اور ان کے درمیان ترکہ کی باہمی تقسیم نہ ہو سکے گی۔ لہٰذا اس مسئلے کو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر باب المقاسمۃ کے نام سے موسوم نہیں کیا جاسکتا اور نہ کیا گیا ہے، بلکہ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ) کے مذہب کے مطابق چونکہ دادا کے ساتھ میت کے بھائی بہن محروم نہیں ہوتے بلکہ ترکے کی تقسیم میں دادا کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اس لیے مسئلے کا نام مقاسمۃ الجد رکھا گیا ہے۔ اور یہی متاخرین

Marfat.com

حنفی فقہا کے نزدیک مفتٰی بہ قرار پایا ہے۔ صاحبین نے صحابہ میں سے حضرت ابن مسعود، زید بن ثابت اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے قول کو اختیار کیا ہے۔

حضرت علیؓ کا مقاسمۃ الجد میں طریق توریث

اگرچہ حضرات علی، ابن مسعود اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم نے بھائیوں کی موجودگی میں دادا کو حصہ دیے جانے میں اتفاق کیا ہے لیکن کیفیتِ تقسیم میں اختلاف ہے۔ حضرت علیؓ کے نزدیک دادا کو چھٹا یا مقاسمہ میں سے جو بڑا حصہ ہو وہ ملے گا۔ یعنی حضرت علیؓ کی تقسیم اس طرح ہے کہ دادا بھائیوں کے ساتھ مقاسمہ کرے گا جب تک کہ اس کا حصہ چھٹے سے کم نہ ہو اور جب مقاسمہ میں اس سے کم ہو تو اسے چھٹا حصہ دیا جائے گا کیونکہ باپ کا حصہ چھٹے حصے سے کم نہیں ہوتا۔

حضرت زیدؓ کے نزدیک دادا کو پورے ترکہ کے ایک تہائی یا مقاسمہ میں سے جو بڑا حصہ ہو وہ ملے گا، حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کے نزدیک بھی یہی صورت ہے، جبکہ کوئی اور ذی فرض نہ ہو۔

اگر حقیقی بھائیوں کے ساتھ علاتی بھائی بھی ہوں تو حضرت علیؓ کے نزدیک علاتی بھائیوں کا سرے سے لحاظ نہیں کیا جائے گا، چنانچہ اگر دادا کے ساتھ حقیقی اور علاتی بھائی ہوں تو میراث دادا اور حقیقی بھائی میں مقاسمۃ کے طریقے پر تقسیم ہوگی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے نزدیک دادا بہنوں کو (جبکہ بھائی کے ساتھ ہوں) عصبہ نہیں کرتا بلکہ بہن دادا کے ساتھ ذی فرض ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اگر ترکہ دادا، حقیقی بہن اور علاتی بہن میں تقسیم ہو تو حقیقی بہن کو نصف اور علاتی بہن کو چھٹا ملے گا، تاکہ دو تہائی پورا ہو جائے اور باقی دادا کو دیا جائے گا۔[1]

۱۔ الشریفیۃ، ص ۸۴

Marfat.com

ابن مسعودؓ کا طریق توریث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک دادا کے لیے مقاسمہ کیا جائے گا، جب تک کہ اس کا حصہ تہائی سے کم نہ ہو، اس میں وہ حضرت زیدؓ سے متفق ہیں اور اس میں بھی کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کا لحاظ نہ کیا جائے گا، نیز یہ کہ بہن دادا کے ساتھ ذی فرض ہو جائے گی، حضرت علیؓ کے ساتھ موافقت کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس مسئلے میں یہ دونوں روایتیں منقول ہیں۔

زید بن ثابتؓ کا طریق توریث

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک دادا کو حقیقی و علاتی بھائی بہنوں کے ساتھ جبکہ کوئی ذی فرض ساتھ میں نہ ہو، مقاسمہ یا کل مال کی تہائی، جو زیادہ ہو، ملے گا۔

صاحبین نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے طریق توریث کے مقابلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کے طریق توریث کو پسند کیا ہے۔ متاخرین حنفی فقہا نے صاحبین ہی کے اختیار کردہ مذہب پر عمل کیا ہے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زیدؓ کے موافق ہیں۔

امام احمد بن حنبل کا مسلک

امام احمد بن حنبلؒ بھی مقاسمۃ الجد کے قائل ہیں اور امام مالک، شافعی اور امام محمد (رحمہم اللہ) ودیگر سے متفق ہیں۔*

* المبسوط ۲۹: ۸۴؛ مجموعہ قوانین اسلام ۵: ۱۷۴۷- ۱۷۵۹

Marfat.com

Marfat.com

باب ۶

حَجب

EXCLUSION

حَجب کا لغوی معنی روکنا، باز رکھنا اور منع کرنا ہے۔ علم الفرائض کی اصطلاح میں کسی مستحق کے موجود ہونے کی وجہ سے دوسرے مستحق کا حصہ کم ہونا یا بالکل ختم ہونا حَجب کہلاتا ہے۔

حَجب کی اقسام

حجب کی دو قسمیں ہیں: حجب نقصان اور حجب حرمان

حَجب نقصان (Partial Exclusion)

یعنی کسی مستحق کے موجود ہونے کی وجہ سے دوسرے مستحق کا حصہ کم ہونا۔ یہ صرف پانچ وُرثا سے متعلق ہے:

۱۔ شوہر: اس کا حصہ نصف ۱/۲ ہے، مگر اولاد کے موجود ہونے پر رُبع ۱/۴ ہو جاتا ہے۔

۲۔ بیوی: اس کا حصہ ربع ۱/۴ ہے، مگر اولاد کے موجود ہونے پر ثُمن ۱/۸ ہو جاتا ہے۔

۳۔ ماں: اس کا حصہ ثُلث ہے مگر اولاد یا دو اور اس سے زیادہ بھائی بہنوں کے موجود ہونے کی وجہ سے سدس ۱/۶ ہو جاتا ہے۔

۴۔ پوتی: اس کا حصہ نصف ۱/۲ ہے، مگر بیٹی کی موجودگی پر سُدس ۱/۶ ہو جاتا ہے۔

۵۔ سوتیلی بہن (باپ شریک بہن): اس کا حصہ نصف ۱/۲ ہے، مگر سگی بہن کے موجود ہونے پر سدس ۱/۶ ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

حجبِ حرمان (Total Exclusion)

یعنی کسی زیادہ قریبی رشتہ دار کی موجودگی پر دوسرے مستحق کا حصہ ختم ہو جانا۔ یہ بے شمار وُرثا پر لاگو ہوتا ہے۔ مگر چھ وُرثا: ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، میاں، بیوی کبھی بھی مجوب حرمان (محروم) نہیں ہوتے، بلکہ ہر صورت میں وراثت سے حصہ پاتے ہیں۔ البتہ مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جن وُرثا سے حجبِ حرمان متعلق ہوتا ہے، اس کے دو اسباب ہیں:

اول: ہر قریب بعید کو مجوب کر دیتا ہے۔ مثلاً باپ دادا کو اور بیٹا پوتے کو مجوب کر دیتا ہے۔

دوم: جس وارث کا میت سے رشتہ کسی دوسرے وارث کے ذریعے سے ہو تو مؤخر الذکر کے موجود ہونے پر وہ وارث مجوب ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر دادا کا میت سے رشتہ باپ کے واسطے سے ہے اور پوتے کا رشتہ بیٹے کے واسطے سے ہے، تو باپ کے موجود ہونے پر دادا اور بیٹے کے موجود ہونے پر پوتا مجوب ہو گا۔ مگر اولاد الام (ماں شریک بہن بھائی، اخیافی) اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں کہ میت کے ساتھ ماں کے واسطے سے رشتہ رکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود ماں کے ہوتے ہوئے مجوب نہیں ہوتے۔

ممنوع اور مجوب کا فرق

۱۔ ممنوع الارث، وہ شخص ہے جو میراث کے موانع میں سے کسی مانع کی موجودگی کی وجہ سے ترکے سے حصہ پانے کا استحقاق کھو بیٹھے۔ جبکہ مجوب بحرمان وہ ہے جو اپنے سے زیادہ قریبی وارث کی موجودگی کی وجہ سے حصہ نہ پا سکے۔ بالفاظ دیگر ممنوع کو اس کا اپنا کوئی وصف یا حالت محروم کر دیتی ہے، جیسے دِین الگ ہونا، قتل اور غلامی وغیرہ۔ جبکہ مجوب کو اپنا وصف محروم نہیں کرتا، بلکہ دوسرے وارث کی موجودگی اس کو محروم کرتی ہے۔ ممنوع من الارث کو اصطلاحاً محروم کہا جاتا ہے۔ لیکن عام زبان میں مجوب وارث کے لیے بھی لفظ محروم کبھی کبھی بول دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اس سے اصطلاحی محروم مراد نہیں ہوتا۔

Marfat.com

۲۔ ترکہ کی تقسیم میں محروم اور محجوب کا مختلف اثر ہوتا ہے۔ ایک محروم رشتہ دار کسی وارث کے حصے پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، یعنی وہ نہ کسی کو مکمل طور پر محروم کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کا حصہ کم کر سکتا ہے۔ گویا اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ مثلاً کسی کا بیٹا کافر ہو جائے یا اپنے باپ کو قتل کر دے تو وہ خود تو محروم قرار دیا جائے گا، لیکن اس کی وجہ سے میت کے پوتے یا میاں بیوی کے حصے میں کمی نہ ہوگی۔ لیکن اس بیٹے کے اندر ان موانع میں سے کوئی مانع نہ ہوتا تو وہ لازماً ان تمام وُرثا کے حصوں پر اثر انداز ہوتا۔

دوسری طرف ایک محجوب رشتہ دار اگرچہ خود ترکے میں سے کوئی حصہ نہ پائے یا کم حصہ پائے، مگر بعض اوقات دیگر وُرثا کے حصوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مثلاً کسی میت کے وُرثا میں سے اگر ماں باپ اور دو بھائی ہوں، تو اگرچہ دونوں بھائی باپ کی وجہ سے حصہ نہ پائیں گے، مگر ان کی وجہ سے ماں کا حصہ ایک تہائی ۳/۱ سے کم ہو کر ۶/۱ ہو جائے گا۔*

ممنوع یا محروم کی تقابلی مثال

الف۔ میت (زید)	کل حصے: ۲۴	
ماں	حصہ ۶/۱	مقدار: ۴
بیوی	حصہ ۸/۱	مقدار: ۳
بیٹا	عصبہ / باقی	مقدار: ۱۷
بھائی	محجوب	–

ب۔ میت (زید)	کل حصے: ۱۲	
ماں	حصہ ۳/۱	مقدار: ۴
بیوی	حصہ ۴/۱	مقدار: ۳
بیٹا (قاتل)	محروم	–
بھائی	عصبہ / باقی	مقدار: ۵

* الموسوعة الفقهية ۳: ۴۲؛ دراد کہ، المیراث في الشريعة، ص۲۱۵؛ اصول وراثت ترکہ، ص۴۶

Marfat.com

محجوب کی تقابلی مثال

الف۔ میت (زید) کل حصے: ۳		
ماں	حصہ ۱/۳	مقدار: ۱
باپ	عصبہ/باقی	مقدار: ۲

ب۔ میت (زید) کل حصے: ۶		
ماں	حصہ ۱/۶	مقدار: ۱
باپ	عصبہ/باقی	مقدار: ۵
۲ بھائی	محجوب	-

حَجب کی چند حل شدہ مثالیں

کل حصے: ۱۲

شوہر	حصہ ۱/۴	مقدار ۳ (حجب نقصان)	اس مثال میں بیٹی کی موجودگی کی وجہ سے شوہر اور ماں کا حصہ کم ہو گیا۔
ماں	حصہ ۱/۶	مقدار ۲ (حجب نقصان)	
بیٹی	حصہ ۱/۲	مقدار ۶	
سگا بھائی	عصبہ	مقدار ۱	

کل حصے: ۶

بیٹی	حصہ ۱/۲	مقدار ۳	اس مثال میں بیٹی کی وجہ سے پوتی کا حصہ ۱/۲ سے کم ہو کر ۱/۶ ہو گیا۔ نیز اس مثال میں باپ کی دو حیثیتیں ہیں؛ وہ ذوی الفروض میں سے بھی ہے اور عصبہ بھی۔ بھائی چاہے سگا ہو یا سوتیلا، باپ کی وجہ سے وراثت سے حصہ پانے سے مکمل طور پر محجوب (محروم) ہو جاتا ہے۔
پوتی	حصہ ۱/۶	مقدار ۱	
باپ	۱/۶ + باقی بطور عصبہ	مقدار ۲	
بھائی	محجوب	-	

Marfat.com

کل حصے: ۶

سگی بہن	حصہ ۱/۲	مقدار: ۳	اس مثال میں سوتیلی (باپ شریک) بہن کو سگی بہن کی موجودگی کی وجہ سے ۱/۲ کے بجائے ۱/۶ دیا گیا ہے۔ اس پر حجب نقصان لاگو ہوا ہے۔
سوتیلی (باپ شریک) بہن	حصہ ۱/۶	مقدار: ۱	
ماں	حصہ ۱/۶	مقدار: ۱	
سوتیلا (ماں شریک) بھائی	حصہ ۱/۶	مقدار: ۱	بہن بھائی چونکہ ایک سے زیادہ ہیں، اس لیے ماں کا حصہ بھی ۱/۳ سے کم ہو کر ۱/۶ ہو گیا۔

کل حصے: ۲۴

بیوی	حصہ ۱/۸	مقدار: ۳	اس مثال میں سگا بھائی پوتے کی وجہ سے محجوب ہے۔
۲ بیٹیاں	حصہ ۲/۳	مقدار: ۱۶	
پوتا۔پوتی	حصہ باقی	مقدار: ۵ ۲:۱ کی نسبت سے	
سگا بھائی	محجوب	-	

کل حصے: ۱۲

شوہر	حصہ ۱/۴	مقدار: ۳	اس مثال میں ماں شریک بھائی دادا کی وجہ سے محجوب ہے۔
بیٹی	حصہ ۱/۲	مقدار: ۶	
دادا	حصہ ۱/۶ + عصبہ	مقدار: ۵	
ماں شریک بھائی	محجوب	-	

Marfat.com

Marfat.com

باب ۷

وُرثا کے حصوں کے عددی اصول

اصول جمع ہے اصل کی، جس کا لغوی معنیٰ "بنیاد" ہے۔ علم الفرائض کی اصطلاح میں اصل سے مراد وہ سب سے چھوٹا عدد ہوتا ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ چھ فروض (حصے)، اکٹھے یا الگ الگ، بلا کسر نکل سکیں۔ ایسے عدد کو اصل، اصل مسئلہ یا مخرج الفروض بھی کہتے ہیں۔ علم حساب میں ایسے عدد کو ذو اضعاف اقل کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے بیان کردہ چھ فروض (حصوں) کو باہمی نسبت اور ضبط قواعد کے لحاظ سے ۲ انواع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر ایک کا اصل اور مثال درج ذیل ہے:

نوع اول		نوع ثانی	
فرض (حصہ)	اصل	فرض (حصہ)	اصل
نصف ۱/۲	۲	ثلثان ۲/۳	۳
ربع ۱/۴	۴	ثلث ۱/۳	۳
ثمن ۱/۸	۸	سدس ۱/۶	۶

اس نقشے پر غور کرنے سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

اول یہ کہ ہر نوع میں اوپر کا فرض نیچے کا دوگنا ہے اور نیچے کا فرض اوپر کا نصف (آدھا) ہے۔

دوم یہ کہ بڑے فرض کا اصل چھوٹا عدد ہے، اور چھوٹے فرض (حصے) کا اصل بڑا عدد ہے۔ مثلاً سب سے بڑا "فرض" (حصہ) ثلثان ۲/۳ ہے، اس کا اصل تین ہے اور سب سے

Marfat.com

چھوٹا "فرض" (حصہ) ثمن ۸/۱ اس کا اصل ۸ ہے۔ مذکورہ چھ فروض (حصوں) کا اصل معلوم کرنے کے پانچ قاعدے ہیں:

قاعدہ ۱

جب کسی ایک فرض کا اصل مطلوب ہو تو نصف کا اصل دو اور باقی سب کا اصل اس کے نام کا مشابہ عدد ہوتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ ربع ۴/۱ کا اصل اربعة یعنی چار (۴)

۲۔ ثمن ۸/۱ کا اصل ثمانية یعنی آٹھ (۸)

۳۔ ثلثان ۳/۲ اور ثلث ۳/۱ کا اصل ثلاثة یعنی تین (۳)

۴۔ سدس ۶/۱ کا اصل چھ (۶)

مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے میں وُرثا ایک بیٹا اور شوہر ہوں تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا۔ اس لیے کہ اولاد موجود ہونے کی وجہ سے شوہر ربع ۴/۱ کا مستحق ہے۔ چوتھا حصہ (یعنی ایک) اسے ملے گا، باقی بیٹے کی طرف منتقل ہوگا۔ علیٰ ھذا القیاس۔

قاعدہ ۲

جب کسی ایک ہی نوع کے دو یا زیادہ فروض کا مشترکہ اصل مطلوب ہو تو ان میں چھوٹے فرض (حصے) کا اصل سب کا اصل ہوگا۔ اس لیے کہ وہ بڑا عدد ہوگا جس سے سارے حصے نِکل سکیں گے۔ جیسے: اگر کسی مسئلے میں نصف ۲/۱ اور ربع ۴/۱ ہوں تو ان کا اصل چار ہوگا۔ اس لیے کہ چار سے نصف ۲/۱ بھی بلا کسر نکل سکتا ہے اور ربع ۴/۱ بھی۔

Marfat.com

اصل مسئلہ ۴		
بیوی	۱/۴	۱
بہن	۱/۲	۲
چچا	عصبہ/باقی	۱

اگر کسی مسئلے میں نصف (۱/۲) اور ثمن (۱/۸) ہوں تو اس کا اصل ۸ ہو گا۔

اصل مسئلہ ۸			
بیوی	۱/۸	۱	یہاں بقیہ تین حصے بھی دوبارہ بیٹی کو دے دیے جائیں گے
بیٹی	۱/۲	۴+۳	

اگر کسی میں ثلثان (۲/۳) اور ثلث (۱/۳) موجود ہوں تو اصل مسئلہ تین ہو گا۔

اصل مسئلہ ۳		
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۲
۲ سوتیلی (ماں کی طرف سے) بہنیں	۱/۳	۱

اگر کسی مسئلے میں ثلثان (۲/۳) اور سدس (۱/۶) ہوں تو اصل مسئلہ چھ ہو گا۔

اصل مسئلہ ۶		
ماں	۱/۶	۱
۲ بیٹیاں یا ۲ سگی بہنیں	۲/۳	۴
باپ شریک بھائی	عصبہ	۱

اگر کسی مسئلے میں ثلث (۱/۳) اور سدس (۱/۶) ہوں تو اس صورت میں بھی اصل مسئلہ چھ ہو گا۔

Marfat.com

اصل مسئلہ ٦		
ماں	۱/۳	۲
ایک ماں شریک بھائی	۱/٦	۱
سگا بھائی	عصبہ	۳

اصل مسئلہ ٦		
ماں	۱/٦	۱
۲ ماں شریک بھائی بہن	۱/۳	۲
چچا	عصبہ	۳

قاعدہ ۳

جب نوع اول میں سے نصف ۲/۱ نوع ثانی کے تمام یا کچھ فروض کے ساتھ ہو تو اصل مسئلہ چھ ہو گا۔

اصل مسئلہ ٦		
بیٹی	۱/۲	۳
ماں	۱/٦	۱
بھائی	باقی	۲

اصل مسئلہ ٦		
سگی بہن	۱/۲	۳
۲ ماں شریک بھائی بہن	۱/۳	۲
باپ شریک بہن	۱/٦	۱
چچا		–

قاعدہ ۴

جب نوع اول میں سے ثمن ۸/۱ نوع ثانی کے تمام یا بعض حصوں کے ساتھ ہو تو اصل مسئلہ ۲۴ ہو گا۔

اصل مسئلہ ۱۲		
بیوی	۱/۴	۳
ماں	۱/٦	۲
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۴
سگا بھائی	عصبہ	۳

اصل مسئلہ ۱۲		
شوہر	۱/۴	۳
باپ	۱/٦+عصبہ	۲ + ۱ = ۳
بیٹی	۱/۲	

Marfat.com

قاعدہ ۵

جب نوع اول میں سے ثمن ۱/۸ نوع ثانی کے تمام یا بعض حصوں کے ساتھ ہو تو اصل مسئلہ ۲۴ ہو گا۔

اصل مسئلہ ۲۴		
بیوی	۱/۸	۳
بیٹی	۱/۲	۱۲
ماں	۱/۶	۴
باپ	۱/۶+ عصبہ	۴ + ۱ = ۵
بھائی	محجوب	-

اصل مسئلہ ۲۴		
بیوی	۱/۸	۳
بیٹا	عصبہ	۱۷
باپ	۱/۶	۴
پوتا	محجوب	-

ورثا اگر صرف عصبات ہوں تو ان کا مسئلہ ان کی تعداد کے مطابق ہو گا۔ اگر وہ مذکر و مؤنث دونوں ہوں تو ہر مذکر کے دو حصے شمار ہوں گے (للذکر مثل حظ الأنثيين)۔

اصل مسئلہ ۳		
ایک بیٹا	عصبہ	۲
ایک بیٹی	عصبہ	۱
بھائی	محجوب	-

اصل مسئلہ ۶		
۲ سگے بھائی	۴	-
۲ سگی بہنیں	۲	-

Marfat.com

Marfat.com

باب ۸

عَول

DOCTRINE OF INCREASE

عول کا لغوی معنیٰ مائل ہونا، بلند ہونا، زیادہ ہونا وغیرہ ہے۔

اصطلاحی معنیٰ

عول کا اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ وُرثا کے حصوں کے مطابق اصل مسئلے کا عدد بڑھا دیا جائے۔ کبھی یہ مشکل پیش آتی ہے کہ قواعد کے لحاظ سے تو اصل مسئلہ صحیح ہے، مگر مستحقین کے تمام حصے اس سے بر آمد نہیں ہوتے، یعنی حصوں کی تعداد بڑھ جاتی اور اصل مسئلہ کم پڑ جاتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ زائد حصوں کے مطابق اصل مسئلے کا عدد بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس طرح اصل مسئلے کا عدد بڑھانے سے ہر ذی فرض (وارث) کے حصے میں متناسب کمی ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر ثلثان ۲/۳، ثلث ۱/۳ اور سدس ۱/۶ کسی مسئلے میں جمع ہوں تو قاعدے کے لحاظ سے اصل مسئلہ چھ ہے، مگر اس سے یہ تمام حصے پورے پورے بر آمد نہیں ہوتے (ایک حصہ کم پڑ جاتا ہے)، اس لیے اس صورت میں اصل مسئلہ ۶ کو بڑھا کر (حصوں کی تعداد کے مطابق) ۷ کرنا پڑتا ہے اور ہر وارث کے حصے میں اسی نسبت سے کمی کرنا پڑتی ہے، ایسے مسئلے کو "عائلہ" (عول والا مسئلہ) کہا جاتا ہے، صورتِ مسئلہ یہ ہے:

اصل مسئلہ ۶۔ عول ۷			
۲ سگی بہنیں	حصہ ۲/۳	اصل مقدار ۴/۶	موجودہ مقدار ۴/۷
۲ ماں شریک بہنیں	حصہ ۱/۳	اصل مقدار ۲/۶	موجودہ مقدار ۲/۷
ماں	حصہ ۱/۶	اصل مقدار ۱/۶	موجودہ مقدار ۱/۷

Marfat.com

عول کی ابتدا

ایسا مسئلہ جس میں عول کی صورت تھی، سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے دور میں پیش آیا تھا۔ آپ نے صحابہ (مختلف روایات کے مطابق حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ یا حضرت زید بن ثابتؓ) کے مشورے سے عول کا طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ البتہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اس سے اختلاف کیا۔*

عول کی صورتیں اور طریقہ

گزشتہ باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ چھ فروض (حصوں) کے اصل مسئلے کی بنیادی تعداد سات ہے: ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۲، ۲۴۔

ان میں سے عول صرف تین: ۶، ۱۲، ۲۴ میں واقع ہوتا ہے۔ اس طرح کہ:

- اصل مسئلہ ۶ ہو تو اس کے چار عول ہو سکتے ہیں: ۷، ۸، ۹، ۱۰
- اصل مسئلہ ۱۲ ہو تو اس کے تین عول ہو سکتے ہیں: ۱۳، ۱۵، ۱۷
- اصل مسئلہ ۲۴ ہو تو اس کا صرف ایک عول ہو سکتا ہے: ۲۷

عول کا طریقہ یہ ہے کہ ذوی الفروض وُرثا کے حصوں کو جمع کیا جائے۔ چونکہ شمار کنندہ (کسر کے اوپر کا عدد) نسب نما (کسر کے نیچے کا عدد) سے بڑھ جاتا ہے، لہٰذا تمام وارثوں کا حصہ متناسب طور پر کم کرنے کے لیے نسب نما کو شمار کنندہ کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

مثال ۱: اصل مسئلہ ۶، عول ۷

۲ سگی بہنیں ۲/۳ = ۴/۶

۲ ماں شریک بہنیں ۱/۳ = ۲/۶

ماں ۱/۶ = ۱/۶

* المبسوط ۲۹: ۱۶۱، ۱۶۲؛ العذب الفائض ۱: ۱۶۵

Marfat.com

نسب نما (۶) کو شمار کنندہ (۷) کے برابر لانے سے ۶/۷ کی کسر ۷/۷ ہو گئی۔

اب ان ورثا کے حصے یوں ہو گئے:

۲ سگی بہنیں (۶/۴ کے بجائے) ۷/۴

۲ ماں شریک بہنیں (۶/۲ کے بجائے) ۷/۲

ماں (۶/۱ کے بجائے) ۷/۱

مثال ۲: اصل مسئلہ ۱۲، عول ۱۵

شوہر ۴/۱ = ۱۲/۳

۲ بیٹیاں ۳/۲ = ۱۲/۸

ماں ۶/۱ = ۱۲/۲

باپ ۶/۱ = ۱۲/۲

نسب نما (۱۲) کو شمار کنندہ (۱۵) کے برابر کرنے سے ۱۵/۱۲ کی کسر ۱۵/۱۵ ہو گئی۔

اب ان وارثوں کے حصے یوں ہوں گے:

شوہر: (۱۲/۳ کے بجائے) ۱۵/۳

۲ بیٹیاں: (۱۲/۸ کے بجائے) ۱۵/۸

ماں: (۱۲/۲ کے بجائے) ۱۵/۲

باپ: (۱۲/۲ کے بجائے) ۱۵/۲

چند مزید مثالیں

اصل مسئلہ ۶ ـ عول ۷			
شوہر	۲/۱	۶/۳	موجودہ ۷/۳
۲ سگی بہنیں	۳/۲	۶/۴	موجودہ ۷/۴
کل حصے ۷			

اصل مسئلہ ۶ ـ عول ۸			
شوہر	۲/۱	۶/۳	موجودہ ۸/۳
۲ سگی بہنیں	۳/۲	۶/۴	موجودہ ۸/۴
۱ ماں شریک بہن یا بھائی	۶/۱	۶/۱	موجودہ ۸/۱
کل حصے ۸			

Marfat.com

اصل مسئلہ ۶ — عول ۹			
شوہر	۱/۲	۳/۶	موجودہ ۳/۹
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۴/۶	موجودہ ۴/۹
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۲/۶	موجودہ ۲/۹
کل حصے ۹			

اصل مسئلہ ۶ — عول ۱۰			
شوہر	۱/۲	۳/۶	موجودہ ۳/۱۰
ماں	۱/۶	۱/۶	موجودہ ۱/۱۰
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۴/۶	موجودہ ۴/۱۰
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۲/۶	موجودہ ۲/۱۰
کل حصے ۱۰			

اصل مسئلہ ۱۲ — عول ۱۳			
بیوی	۱/۴	۳/۱۲	موجودہ ۳/۱۳
ماں	۱/۶	۲/۱۲	موجودہ ۲/۱۳
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۸/۱۲	موجودہ ۸/۱۳
کل حصے ۱۳			

اصل مسئلہ ۱۲ — عول ۱۵			
شوہر	۱/۴	۳/۱۲	۳/۱۵
۲ بیٹیاں	۲/۳	۸/۱۲	۸/۱۵
ماں	۱/۶	۲/۱۲	۲/۱۵
باپ	۱/۶	۲/۱۲	۲/۱۵
کل حصے ۱۵			

اصل مسئلہ ۱۲ — عول ۱۷		
بیوی	۱/۴	۳
دادی	۱/۶	۲
۲ باپ شریک بہنیں	۲/۳	۸
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۴
کل حصے ۱۷		

اصل مسئلہ ۲۴ — عول ۲۷			
بیوی	۱/۸	۳/۲۴	۳/۲۷
ماں	۱/۶	۴/۲۴	۴/۲۷
باپ	۱/۶	۴/۲۴	۴/۲۷
۲ بیٹیاں	۲/۳	۱۶/۲۴	۱۶/۲۷
کل حصے ۲۷			

Marfat.com

باب ۹

رڈ (دوبارہ دینا)

DOCTRINE OF RETURN

معنیٰ و مفہوم

جب ترکہ کے مستحقین صرف ذوی الفروض ہوں، ان کے ساتھ کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں بعض اوقات ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد ترکہ میں سے کچھ حصے بچ جاتے ہیں جنہیں دوبارہ ذوی الفروض میں (سوائے شوہر یا بیوی کے) ان کے مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کرنا ہوتا ہے، اصطلاح میں اسے رڈ کہتے ہیں۔

یہ عول کی ضد ہے۔ اس لیے کہ عول میں مستحقین کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے حصوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، ان کے مطابق اصل مسئلے کا عدد بڑھانا پڑتا ہے جس سے ہر حصہ فی نفسہ کم ہو جاتا ہے (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا)۔ جبکہ یہاں مستحقین کے کم ہونے کی وجہ سے حصوں کی تعداد کم کرنی پڑتی ہے، ان کے مطابق اصل مسئلے کا عدد کم کرنا پڑتا ہے جس سے ہر حصے کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

یہ رڈ چونکہ ذوی الفروض نسبیہ پر ہوتا ہے اس لیے انہیں مَن یُردّ علیہ (جس کو بچا ہوا ترکہ دیا جاتا ہے) کہتے ہیں۔ ذوی الفروض سببیہ (میاں بیوی) پر چونکہ رد نہیں ہوتا اس لیے انہیں مَن لا یُردّ علیہ (جس کو بچے ہوئے ترکہ میں سے حصہ نہیں دیا جاتا) کہتے ہیں۔

رڈ کی صورتیں

رڈ کے مسائل میں وُرثا چار صورتوں میں سامنے آئیں گے:

- مسئلے میں صرف ذوی الفروض نسبیہ ہوں، اور وہ ایک ہی صنف کے ہوں۔

Marfat.com

- مسئلے میں صرف ذوی الفروض نسبیہ ہوں، مگر مختلف اصناف کے ہوں۔
- ذوی الفروض نسبیہ صرف ایک صنف کے ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو۔
- ذوی الفروض نسبیہ کی مختلف اصناف ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو۔

ردّ کے قواعد

ان چار صورتوں کے لیے الگ الگ چار قواعد مقرر ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

قاعدہ ۱

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ مَن یُردّ علیہ صرف ایک ہی صنف کے ہوں یعنی ایک ہی نام کے ہوں یا ان کے حصے ایک ہی طرح کے ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکہ کار دان کی تعداد کے مطابق ہو گا۔ مثال کے طور پر اگر تین بیٹیاں ہوں تو اصل مسئلہ ان کی تعداد کے لحاظ سے ۳ ہو گا۔ اسی طرح اگر پانچ بہنیں ہوں تو اصل مسئلہ ۵ ہو گا۔ یا اگر ورثا دادی اور سوتیلی (ماں شریک) بہن ہوں تو اصل مسئلہ ۲ ہو گا۔ اس لیے کہ دونوں کے حصے ایک جیسے ہیں (یعنی ۱/۶، ۱/۶)۔

قاعدہ ۲

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ مَن یُردّ علیہ مختلف اصناف کے ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکے کار دان کے مقررہ حصوں کے مطابق ہو گا۔ مثال:

اصل مسئلہ ۶۔ ردّ ۳		
۲ ماں شریک بھائی	اصل حصہ ۱/۳	موجودہ حصہ ۲ (۲/۳)
ماں	اصل حصہ ۱/۶	موجودہ حصہ ۱ (۱/۳)

Marfat.com

اس مثال میں حصے ثلث ۳/۱ اور سدس ۶/۱ ہیں۔ اس لیے اصل مسئلہ (ان کے حصوں کا ذو اضعاف اقل) ۶ ہو گا، جس میں سے ۲ حصے ماں شریک بھائی کے ہوں گے اور ایک حصہ ماں کا۔ مجموعی تعداد ۳ ہوئی، اس لیے رد بھی ۳ کی طرف ہوا، اور تین ہی اب اصل مسئلہ قرار پایا۔ اس طرح وُرثا کے حصوں کے مطابق ان میں اضافہ ہوا۔ اب بھائیوں کو ۳/۱ کے بجائے ۳/۲ اور ماں کو ۶/۱ کے بجائے ۳/۱ ملے گا۔

اس قاعدے میں رد چونکہ حصوں کے تناسب سے ہوتا ہے، اس لیے درج ذیل فروض (حصوں) کے رد کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ جب کسی مسئلے میں صرف سدس ۶/۱ ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور رد ۲ ہو گا۔

۲۔ جب کسی مسئلے میں ثلث ۳/۱ اور سدس ۶/۱ جمع ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور ردّ ۳ ہو گا۔

۳۔ جب کسی مسئلے میں نصف ۲/۱ اور سدس ۶/۱ ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور ردّ ۴ ہو گا۔

۴۔ جب ثلثان ۳/۲ اور سدس ۶/۱ یا

۵۔ نصف ۲/۱ اور دو سدس ۶/۱ یا

۶۔ نصف ۲/۱ اور ثلث ۳/۱ جمع ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور رد ۵ ہو گا۔

قاعدہ ۳

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ مَن یُردّ علیہ کی صرف ایک صنف ہو، اور اس کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو تو اس صورت میں رد (باقی ماندہ ترکے کی دوبارہ تقسیم) شوہر یا بیوی کے الگ مسئلے کے مطابق ہو گا۔ یعنی پہلے شوہر یا بیوی میں سے جو موجود ہو اس کے حصے کے لحاظ سے انفرادی طور پر اس کا مسئلہ بنا کر اس سے اس کو حصہ دے دیا جائے، پھر باقی ماندہ حصوں کو باقی اصحاب الفروض (نسبیہ) پر تقسیم کیا جائے۔ جیسے اگر

Marfat.com

مسئلے میں شوہر اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہو تو اصل مسئلہ شوہر کے حصے ربع ۴/۱ کے مطابق چار سے ہو گا۔ چوتھا حصہ شوہر کو دے کر بقیہ تین حصے بیٹیوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔

اس طرح اگر وُرثا بیوی اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو اصل مسئلہ بیوی کے حصے ۸/۱ کے مطابق ۸ سے ہو گا۔ ایک حصہ بیوی کو دے کر بقیہ (۷) حصے بیٹیوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔

قاعدہ ۴

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ مَن یُردّ علیہ مختلف اصناف کے ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو تو اس صورت میں دو مسئلے الگ الگ طور پر حل کئے جائیں گے، ایک مسئلے میں صرف شوہر یا بیوی ہوں گے، اور دوسرے مسئلے میں ان کے علاوہ باقی ورثا ہوں گے۔ یہ قاعدہ چونکہ قاعدہ نمبر ۲ اور قاعدہ نمبر ۳ کا مجموعہ ہے، اس لیے پہلے قاعدہ نمبر ۲ کے مطابق رد کیا جائے، پھر قاعدہ نمبر ۳ کے مطابق باقی ماندہ ترکہ کو ذوی الفروض نسبیہ پر تقسیم کیا جائے۔

مثال ۱

ورثا: بیوی۔ دادی / نانی۔ ۲ ماں شریک بھائی

اصل مسئلہ ۶۔ رد ۳		
دادی	اصل حصہ ۶/۱	موجودہ حصہ ۱ (۳/۱)
۲ ماں شریک بہن بھائی	اصل حصہ ۳/۱	موجودہ حصہ ۲ (۳/۲)

دوسرا مسئلہ

اصل مسئلہ ۴		
بیوی	۴/۱	۱
دادی	۶/۱	۱
۲ ماں شریک بہن بھائی	۳/۱	۲

Marfat.com

پہلا مسئلہ ٦ سے ہے جسے ٣ میں ردّ کیا گیا ہے۔ دوسرے مسئلے کا اصل ۴ ہے جو بیوی کے حصے ربع ۴/۱ سے ماخوذ ہے۔ دونوں مسئلوں کا تقابل کرنے سے معلوم ہوا کہ پہلے مسئلے میں دادی اور بہنوں کا مجموعی حصہ ٣ ہے۔ دوسرے مسئلے میں بیوی کا اصل مسئلہ ۴ میں سے ایک حصہ دے دیا گیا جس کے بعد ٣ باقی رہ جاتے ہیں جو پہلے مسئلے کے مطابق دادی اور سوتیلی بہن بھائی کا حصہ ہیں۔ یہاں حصے پورے پورے بِلا کسر ورثا پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اب دوسرے مسئلے کے اصل (یعنی چار) ہی کو اصل مسئلہ قرار دے کر تمام ورثا کو اس میں سے حصے دیے گئے۔ بیوی کو صرف اس کا مقررہ حصہ ملا، جبکہ ذوی الفروض نسبیہ کو ان کے مقررہ حصوں کے علاوہ باقی ماندہ ترکے میں سے بھی حصہ دیا گیا۔

مثال ۲

وُرثا: بیوی۔ ۲ بیٹیاں۔ ماں

اصل مسئلہ ٦۔ ردّ ۵		
۲ بیٹیاں	اصل حصہ ۳/۲	موجودہ حصہ ۴ (۵/۴)
ماں	اصل حصہ ٦/۱	موجودہ حصہ ۱ (۵/۱)

دوسرا مسئلہ بعد از ردّ

۸ × ۵ = ۴٠		
بیوی ۸/۱	۸/۱	۴٠/۵
۲ بیٹیاں ۳/۲	۴ × ۷ = ۲۸	۴٠/ ۲۸
ماں ٦/۱	۱ × ۷ = ۷	۴٠/۷

اس مثال میں ثمن (۸/۱) ثلثان (۳/۲) اور سدس (٦/۱) کے جمع ہونے سے حسبِ قاعدہ اگر مسئلہ ۲۴ کیا جائے اور حصے تقسیم کیے جائیں تو ایک حصہ بچ جاتا ہے (دو بیٹیاں

Marfat.com

۱۶، ماں ۴، بیوی ۳، کل ۲۳ حصے)۔ چنانچہ بچ رہنے والے حصے کو بیوی کو چھوڑ کر باقی ورثا پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کرنے کے لیے بیوی کے الگ مسئلے ۸ کو اصل مسئلہ بنا کر ردّ کیا گیا، اس میں سے ایک حصہ بیوی کو دے کر باقی ۷ حصے محفوظ کر لیے گئے۔ پھر باقی اصحاب الفروض کا الگ مسئلہ بنا کر دیکھا گیا تو وہ ردّ کے بعد ۵ ہے، جس میں سے چار حصے بیٹیوں کو اور ایک حصہ ماں کو دیا گیا۔

دوسرے مسئلے میں بیویوں سے باقی ماندہ ۷ حصے پہلے مسئلے کے مجموعۂ حصص ۵ پر بلا کسر تقسیم نہیں ہوتے۔ اس کسر کو دور کرنے کے لیے مجموعہ حصص ۵ کو بیوی کے الگ مسئلے (یعنی ۸) سے ضرب دی گئی تو حاصل ضرب چالیس ہے (۴۰ = ۸ × ۵)۔ اس کو وُرثا کی ہر صنف پر اس طرح تقسیم کیا گیا کہ بیوی کے الگ مسئلے کے حصے (۱) کو باقی اصحاب الفروض کے الگ مسئلے ۵ سے ضرب دے کر پانچ حصے دیے گئے (۴۰/۵)، اور بیٹیوں کے چار حصوں کو بیوی کے مسئلے میں باقی ماندہ حصوں (۷) میں ضرب دے کر ۲۸ حصے کر دیے گئے (۲۸ = ۷ × ۴)، اسی طرح ماں کے ایک حصے کو بھی (۷) سے ضرب دے کر سات حصے دیے گئے (۷ = ۷ × ۱)۔

خلاصہ

ردّ (بقیہ ترکہ دوبارہ تقسیم کرنے) کا طریقہ یہ ہے کہ ذوی الفروض (ماسوائے خاوند اور بیوی) کے حصوں کو جمع کیا جائے۔ چونکہ شمار کنندہ (کسر کے اوپر کا عدد) نسب نما (کسر کے نیچے کے عدد) سے کم ہو جاتا ہے، لہٰذا تمام وُرثا (ماسوائے خاوند اور بیوی) کا حصہ متناسب طور پر زیادہ کرنے کے لیے نسب نما شمار کنندہ کے برابر کر لیا جاتا ہے۔

مثال ۱:

ماں: ۱/۶ = ۱/۶

بیٹی: ۱/۲ = ۳/۶ = ۵/۶

پوتی: ۱/۶ = ۱/۶

Marfat.com

نسب نما(٦) کو کم کر کے شمار کنندہ (۵) کے برابر کرنے سے ٦/۵ کی کسر ۵/۵ بن گئی۔ اب ان وارثوں کے حصے یوں ہو گئے:

ماں: ۵/۱ (٦/۱ کے بجائے)

بیٹی: ۵/۳ (٦/۳ کے بجائے)

پوتی: ۵/۱ (٦/۱ کے بجائے)

مثال ۲:

بیوی: ۸/۱

ماں: ٦/۱ = ٦/۱

بیٹی: ۲/۱ = ٦/۳　　٦/۴

نسب نما(٦) کو شمار کنندہ (۴) کے برابر کرنے سے ٦/۴ کی کسر ۴/۴ بن گئی۔ اب ماں بیٹی کے حصوں کا باہمی تناسب یہ ہو گا:

ماں: ۴/۱ (٦/۱ کے بجائے)

بیٹی: ۴/۳ (٦/۳ کے بجائے)

ماں کا حصہ کل میں سے ۸/۷ کا　　۴/۱ = ۳۲/۷

بیٹی کا حصہ کل میں سے ۸/۷ کا　　۴/۳ = ۳۲/۲۱

بیوی کا حصہ کل میں سے: ۸/۱ = ۳۲/۴

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱۰

ذوی الارحام

DISTANT KINDRED

جب کسی میت کے رشتہ داروں میں ذوی الفروض نسبیہ اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو، تو ذوی الارحام وراثت پانے کے حق دار ہوتے ہیں۔ البتہ بیوی یا شوہر ایسے ذوی الفروض ہیں جن کی موجودگی ذوی الارحام کو محجوب نہیں کرتی۔ ان سے بچا ہوا کل ترکہ ذوی الارحام کا حق ہوتا ہے۔

معنیٰ و مفہوم

لغوی معنی کے لحاظ سے ذوی الارحام کا لفظ خون یا نسب میں شریک تمام رشتہ داروں کو شامل ہوتا ہے، مگر علم فرائض کی اصطلاح میں ایسے رشتہ دار مراد ہیں جو ذوی الفروض اور عصبات نہیں اور خود عورت ہیں یا کسی عورت کے ذریعے سے میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ جیسے بیٹی اور پوتی کی اولاد یا بہن کی اولاد، جدِ فاسد (نانا، پرنانا)، جدہ فاسدہ (جو میت سے جدِ فاسد کے واسطے سے تعلق رکھتی ہو جیسے نانا کی ماں)، ماموں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ۔

ذوی الارحام کے اصناف

عصبات کی طرح ذوی الارحام کے بھی درج ذیل چار اصناف ہیں اور اسی ترتیب سے وارث ہوتے ہیں:

صنف اول: جزء میت: میت کی وہ اولاد جو ذوی الفروض اور عصبات نہ ہو۔ ان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بیٹیوں کی اولاد　　　۲۔ پوتیوں کی اولاد

Marfat.com

صنف دوم: اصل میت: میت کے باپ اور ماں سے اوپر کے رشتے والے جو ذوی الفروض یا عصبات نہ ہوں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جدِ فاسد (نانا، پرنانا، باپ کے نانا، ماں کے دادا، نانا)

۲۔ جدہ فاسدہ: وہ عورت جو میت سے بواسطہ جدِ فاسد تعلق رکھتی ہو جیسے نانا کی ماں وغیرہ، ماں کی دادی پر دادی وغیرہ۔

صنف سوم: جزء اصلِ قریب: یعنی میت کے ماں باپ کی وہ اولاد جو ذوی الفروض یا عصبہ نہ ہو۔ ان کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ بھانجے بھانجیاں ۲۔ بھتیجیاں اور ان کی اولاد

۳۔ بھتیجوں کی بیٹیاں ۴۔ اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی کی اولاد

صنف چہارم: جزء اصل بعید: یعنی میت کے دادا، دادی یا نانا، نانی کی وہ اولاد جو ذوی الارحام ہو۔ یہ کئی قسمیں ہیں:

۱۔ پھوپی، اخیافی چچا اور ان کی اولاد ۲۔ خالہ، ماموں اور ان کی اولاد

۳۔ چچاؤں کی بیٹیاں اور ان کی اولاد ۴۔ ماں یا باپ کی پھوپھی، خالہ اور ماموں

۵۔ اجداد وجدات کی پھوپھی، خالہ اور ماموں، اوپر تک۔

ذوی الارحام اس وقت وارث ہوتے ہیں جب ذوی الفروض نسبیہ اور عصبات میں سے (میاں بیوی کے سوا) کوئی بھی موجود نہ ہو۔ ترکہ میں ان کے حصے مقرر نہیں ہیں بلکہ عصبات کی طرح جس کو ترجیح حاصل ہوگی، وہ پورے ترکے کا مستحق ہوگا، باقی سب محروم ہوں گے۔

ذوی الارحام کے درمیان ترکے کی تقسیم

ذیل میں اختصار کے ساتھ ذوی الارحام کی ہر صنف میں ترکہ کی تقسیم کا حنفی نقطۂ نظر کے مطابق ذکر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

صنف اول میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ اگر کسی مسئلے میں صرف صنف اول کے چند ذوی الارحام ہوں، تو ان میں سے جو درجہ کے لحاظ سے میت کے زیادہ قریب ہو، وہی وراثت کا مستحق ہو گا، باقی محروم ہوں گے۔ جیسے نواسی کے ساتھ پوتی کا بیٹا موجود ہو، تو یہ دونوں اگرچہ صنفِ اول کے ذوی الارحام میں سے ہیں، مگر نواسی درجے کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے، لہٰذا ترکہ اس کو ملے گا، اور پوتی کا بیٹا محروم ہو گا۔

۲۔ اگر درجے میں برابر ہوں تو ان میں جو وارث (یعنی ذوی الفروض یا عصبات میں سے کسی) کی اولاد ہو وہی مستحق ہو گا، اور جو ذوی الارحام (میں سے کسی) کی اولاد ہو وہ محروم ہو گا۔ مثال کے طور پر پوتی کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا موجود ہوں، تو پوتی (جو ذوی الفروض میں سے ہے) کی بیٹی کو وراثت ملے گی اور نواسی (جو ذوی الارحام میں سے ہے) کا بیٹا محروم رہے گا۔ اسی طرح اگر بھتیجے کی بیٹی اور بھتیجی کا بیٹا ہوں تو بھتیجے (جو عصبہ ہے) کی بیٹی کو ترکہ ملے گا اور بھتیجی (جو ذوی الارحام میں سے ہے) کا بیٹا محروم ہو گا۔

نوٹ: صنف اول میں ذوی الفروض کی اولاد اور عصبہ کی اولاد ایک ہی درجے میں نہیں پائی جا سکتی۔

۳۔ اگر درجہ اور حیثیت میں بھی یکساں ہوں (یعنی سب وارث کی اولاد ہوں یا سب ذی رحم کی اولاد ہوں) تو ان میں جو مذکر کی اولاد ہو گا وہ دوگنا حصہ پائے گا (چاہے وہ خود مذکر ہو یا مؤنث)۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑے ہوں تو ترکے کے تین حصے ہو کر نواسے کی بیٹی کو دو حصے اور نواسی کے بیٹے کو ایک حصہ ملے گا۔

Marfat.com

۴۔ اگر مذکر یا مؤنث اولاد ہونے میں بھی برابر ہوں تو ان میں ترکہ کی تقسیم للذکر مثل حظّ الأنثیین (مرد کو عورت سے دوگنا حصہ) کے اصول پر ہوگی۔ جیسے کسی نے نواسہ اور نواسی چھوڑے ہوں تو ترکہ کے دو حصے نواسے اور ایک حصہ نواسی کو ملے گا۔

صنف دوم میں ترکے کی تقسیم

۱۔ میت کے جو زیادہ قریب ہو، اس صنف میں وہی مستحق ہوگا، بقیہ محروم ہوں گے۔ مثال کے طور پر ماں کا باپ اور ماں کا نانا موجود ہوں تو ماں کا باپ چونکہ زیادہ قریبی ہے، اس لیے ترکہ اسی کو ملے گا اور ماں کا نانا محروم ہوگا۔

۲۔ اگر درجے میں برابر ہوں تو جس کا رشتہ میت سے کسی وارث (ذوی الفروض یا عصبہ) کے ذریعے ہو وہی مستحق ہوگا، اور جس کا رشتہ ذوی الارحام میں سے کسی کے ذریعے ہو وہ محروم رہے گا۔ جیسے کسی نے اپنے پیچھے اپنی ماں کا نانا اور ماں کا دادا چھوڑے ہوں تو ماں کا نانا مستحق ہوگا (اس لیے کہ وہ میت کی نانی کا باپ ہے اور نانی جدہ صحیحہ ہونے کے ناطے ذوی الفروض ہے) اور ماں کا دادا محروم ہوگا اس لیے کہ وہ میت کے نانا کا باپ ہے جو کہ جدِ فاسد (ہونے کی وجہ سے ذوی الارحام میں سے) ہے۔

صنفِ سوم میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ اس صنف میں میت سے جو زیادہ قریب ہو وہی مستحق ہوگا، بقیہ محروم ہوں گے۔ مثلاً کسی نے بھتیجی کا بیٹا اور بھانجے چھوڑے ہوں تو ترکہ بھانجی کو ملے گا اس لیے کہ وہ زیادہ قریب ہے۔

۲۔ اگر درجے میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد مستحق ہوگی اور ذی رحم کی اولاد محروم رہے گی۔ مثلاً کسی شخص نے بھتیجے کی بیٹی اور بھانجی کا بیٹا چھوڑا ہو تو ترکہ بھتیجے کی بیٹی کو ملے گا۔ اس لیے کہ وہ عصبہ کی اولاد ہے اور بھانجی کا بیٹا محروم ہوگا، اس لیے کہ وہ ذوی الارحام کی اولاد ہے۔

Marfat.com

۳۔ اگر درجے اور وارث کی اولاد ہونے میں یکساں ہو تو جس کی قرابت زیادہ مضبوط ہو گی اسے ترجیح ملے گی۔ مثلاً ایک شخص نے سگے بھائی کی پوتی، سوتیلے (باپ شریک) بھائی کی پوتی اور سوتیلے (ماں شریک) بھائی کی پوتی چھوڑی ہو تو ترکہ کی مستحق سگے بھائی کی پوتی ہو گی، اور باپ شریک بھائی کی پوتی کمزور قرابت کی وجہ سے اور ماں شریک بھائی کی پوتی وارث کی اولاد نہ ہونے کی بنا پر محروم ہو گی۔

صنف چہارم میں ترکہ کی تقسیم

صنف چہارم دو فریق ہیں: اَبوی (باپ کی طرف سے) اور اُموی (ماں کی طرف سے)

فریقِ اَبوی (ددھیالی): جو میت کے باپ کی طرف سے تعلق رکھتے ہوں جیسے سگی پھوپھی، علاتی پھوپھی، اخیافی پھوپھی اور اخیافی چچا۔

فریقِ اُموی (ننھیالی): جو میت کی ماں کی طرف سے تعلق رکھتے ہوں جیسے سگا ماموں، خالہ اور علاتی ماموں اور خالہ اور اخیافی ماموں اور خالہ۔

اس صنف میں پہلے مستحق یہی ہیں پھر ان کی اولاد۔ ان میں ترکہ کی تقسیم اس طرح ہو گی:

۱۔ اگر کسی ایک فریق کے متعدد افراد موجود ہوں تو قوتِ قرابت کو ترجیح ہو گی، یعنی عینی (سگے) کو علاتی (باپ شریک) پر اور علاتی کو اخیافی (ماں شریک) پر ترجیح دی جائے گی، خواہ مرد ہوں یا عورت۔

۲۔ مرد کو ۲/۳ اور عورت کو ۱/۳ حصہ ملے گا۔ مثلاً کسی نے پھوپھی اور اخیافی چچا چھوڑے ہوں تو اخیافی چچا کو ۲/۳ اور پھوپھی کو ۱/۳ حصہ ملے گا۔

۳۔ اگر دونوں فریق جمع ہوں تو کسی فریق کو دوسرے پر قوتِ قرابت کی بنا پر ترجیح نہ ہو گی، بلکہ دونوں بیک وقت مستحق ہوں گے۔ جیسے کسی شخص نے سگی خالہ اور علاتی پھوپھی چھوڑی ہوں تو دونوں مستحق ہوں گی۔ البتہ باپ کی طرف سے قرابت رکھنے والوں کو ۲/۳

Marfat.com

اور ماں کی طرف سے قرابت رکھنے والوں کو ۳/۱ حصہ ملے گا۔ مذکورہ مثال میں سگی خالہ کو ۳/۱ اور علاتی پھوپھی کو ۳/۲ دیا جائے گا۔

۴۔ اگر دونوں طرف (ابوی اور اموی) کے کئی افراد موجود ہوں تو پہلے ہر فریق کے حصے (۳/۲ اور ۳/۱) الگ الگ کر لیے جائیں گے۔ پھر ان کے افراد پر تقسیم کر دیے جائیں گے۔

صنف چہارم کی اولاد میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ کسی بھی طرف کی اولاد ہو تو زیادہ قریب والے کو ترجیح ہو گی۔ مثلاً کسی نے خالہ کا بیٹا اور پھوپھی کا پوتا چھوڑے ہوں تو خالہ کا بیٹا ترکے کا مستحق ہو گا، اسی طرح اس کے برعکس۔

۲۔ درجے میں برابر ہوں تو قوی قرابت کو ترجیح ہو گی۔ مثلاً کسی نے سگی پھوپھی کی بیٹی اور اخیافی چچا کا بیٹا چھوڑے ہوں تو سگی پھوپھی کی بیٹی مستحق ہو گی۔

۳۔ درجہ اور قوت میں بھی برابر ہوں تو عصبہ کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح ہو گی۔ جیسے کسی نے عینی چچا کی بیٹی اور عینی پھوپھی کا بیٹا چھوڑے ہوں تو عینی (سگے) چچا (جو عصبہ ہے) کی بیٹی مستحق ہو گی، اور عینی پھوپھی (جو ذوی الارحام ہے) کا بیٹا محروم ہو گا۔

۴۔ اگر دونوں طرف (اَبوی اور اُموی) کی اولادیں جمع ہوں (اور درجے میں برابر ہوں) تو کوئی بھی کسی کو محروم نہیں کرے گا۔ البتہ باپ کی طرف والے کو ۳/۲ دیا جائے گا۔ پھر ہر طرف میں اگر متعدد افراد موجود ہوں تو ان میں باہم، مضبوط قرابت پھر عصبہ کی اولاد ہونے کی ترجیح ملحوظ رہے گی۔

۵۔ اگر میت کے چچا، پھوپھیاں، خالائیں اور ان کی اولادیں نہ ہوں تو پھر وراثت کا یہی طریقہ میت کے والدین کے چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں میں اور پھر ان کی اولاد میں جاری ہو گا۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر میت کے اجداد و جدّات کے چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں میں اور پھر ان کی اولادوں میں جاری ہو گا۔

Marfat.com

اہل التنزیل کا نقطۂ نظر

حنفی اور حنبلی فقہا کے برعکس متقدمین مالکی اور شافعی فقہا ذوی الارحام کو وراثت میں حصہ دینے کے بجائے ذوی الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں متوفیٰ کا ترکہ بیت المال میں جمع کرا دینے کی رائے رکھتے تھے، مگر جب بیت المال کے نظام میں اضمحلال آیا تو ان کے متأخرین فقہا نے بھی ذوی الارحام کو وراثت میں حصہ دینے کا نقطۂ نظر اختیار کرلیا۔ مالکی، شافعی اور حنبلی فقہا ذوی الارحام کو حصے دینے میں ان کے اصول وآبا کو دیکھتے ہیں اور جو حصہ ان کے اصول (بڑوں) کو مل سکتا تھا، موجود فروع (اولاد) کو وہی حصہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے میں "نواسی، بھانجی اور باپ شریک بھائی کی بیٹی" ہو تو ان کے نزدیک نواسی کو نصف (۱/۲) اور بھانجی کو باقی نصف دے دیا جائے گا، جبکہ سوتیلی بھتیجی محروم رہے گی۔ اس لیے کہ وہ زندہ ذوی الارحام کو نہیں، بلکہ ان کے اصول کو دیکھتے ہیں جو "بیٹی، سگی بہن اور باپ شریک بھائی" ہیں۔ ان میں وراثت جس طرح تقسیم ہوتی، ان کی اولاد کو بھی اسی طرح حصے دیے جائیں گے۔ تنزیل کا یہی مفہوم ہے، اسی لیے ان فقہا کے نقطۂ نظر کو مذهب أهل التنزيل کہا گیا ہے۔

اہل تنزیل ذوی الارحام میں اس طرح کی ترتیب قائم کرکے ان کو حصے نہیں دیتے جس طرح حنفی فقہا (جو أهل القرابة کہلاتے ہیں) قائم کرتے ہیں۔ نیز اہل تنزیل کے نزدیک ترجیح کی بنیاد کسی ذی رحم کی میت کے ساتھ زیادہ قریبی قرابت ہوگی، چنانچہ جس ذی رحم کا میت کے ساتھ کسی ذی فرض یا عصبہ وارث کے ذریعے تعلق ہو، اسے ترجیح دی جائے گی۔ جبکہ حنفی فقہا کے نزدیک ترجیح کی پہلی بنیاد درجہ کا قریب ہونا، پھر قرابت کا قوی ہونا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱۱

تقسیمِ ترکہ کی خصوصی صورتیں*

ا۔ حمل (Child in the Womb)

جب کوئی وارث حمل کی صورت میں ہو تو ترکہ کی تقسیم کرنے سے پہلے اس کا انتظار کرلینا چاہیے، تاکہ حمل کا وارث یا ناوارث ہونا، نیز اس کی جنس مرد یا عورت ہونا واضح ہو جائے، اور اس کے مطابق موجودہ وُرثا کی حیثیت بھی متعین ہو جائے۔

اگر ولادت کا انتظار نہ کیا جاسکے اور ولادت سے قبل ہی عارضی تقسیم مطلوب ہو تو موجودہ وُرثا سے ضامن اور عہد لیا جائے کہ حمل سے اگر ایک سے زیادہ بچے پیدا ہو گئے تو وہ ان کے استحقاق کے مطابق حصہ واپس کر دیں گے۔ پھر حمل کو ایک بچہ پر فرض کر کے اس کے لیے ترکہ میں سے بہتر حصہ محفوظ کرلیا جائے، یعنی لڑکا فرض کرنے کی صورت میں اگر اس کو زیادہ حصہ ملتا ہو تو لڑکے کا حصہ محفوظ کرلیا جائے، اور اگر لڑکی فرض کرنے کی صورت میں اسے زیادہ حصہ ملتا ہو تو لڑکی کا حصہ محفوظ کرلیا جائے۔ پھر ولادت ہونے پر اگر وہ پورے محفوظ کردہ حصے کا مستحق ہو تو اس کو وہ دے دیا جائے، ورنہ اس کے استحقاق کے مطابق اسے حصہ دے کر بقیہ حصہ دیگر وُرثا پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

جو حمل ترکے کا مستحق ہو اس کی وجہ سے موجودہ وُرثا کے درج ذیل تین حالات ہوں گے:

۱۔ بعض مکمل طور پر محروم ہوں گے

۲۔ بعض محجوب بنقصان ہوں گے، یعنی ان کا حصہ کم ہو جائے گا۔

۳۔ بعض محفوظ ہوں گے، یعنی ان کے حصے میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔

---

* الموسوعة الفقهية ۳: ۶۳ومابعد

Marfat.com

حمل کی وراثت کے لیے شرائط

حمل کے وارث ہونے کے لیے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ حمل کا اکثر حصہ زندہ پیدا ہو۔ لہٰذا اگر کوئی بچہ مردہ پیدا ہو تو وہ وارث نہیں ہو گا۔ البتہ اگر (اسقاط کی صورت میں) رحم سے مار کر نکالا گیا تو وارث ہو گا۔

۲۔ مورّث کی موت کے وقت استقرارِ حمل کا یقین ہو۔ یعنی (حمل مورّث کا نہ ہونے کی صورت میں) اگر میاں بیوی کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہو تو وہ مورث کی موت کے بعد چھ ماہ یا اس سے کم مدت میں پیدا ہو۔ اس لیے کہ تمام فقہا کے نزدیک حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس لیے اگر وہ چھ ماہ سے زیادہ عرصے میں پیدا ہوا تو وارث نہیں ہو گا۔ البتہ حمل اگر خود مورّث کا ہے تو وہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت (دو سال) تک پیدا ہونے کی صورت میں بھی وارث ہو گا اگر اس کی والدہ نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال کا ہونا حنفی فقہ کے مطابق ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ بچہ ماں کے رحم میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا۔ لہٰذا کسی شخص کی منکوحہ نے اگر نکاح کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ جنا تو اس کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہو گا، اور نہ ہی یہ اس کا وارث بنے گا۔ اسی طرح اگر شوہر کی وفات کے دو سال بعد اس کی بیوہ نے بچہ جنا تو میت سے اس کا نسب ثابت نہ ہو گا اور نہ ہی یہ اس کا وارث بنے گا۔

حنفی فقہا نے بطور احتیاط حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال قرار دی ہے، مگر اس بارے میں تجربہ و عادت اور طبِ جدید کے ماہرین کی رائے ہی کا لحاظ رکھا جائے گا۔ ابن رشد نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔[۱]

۱۔ بدایۃ المجتھد، دارالسلام، قاہرہ ۱۹۹۵ء، کتاب الفرائض ۴: ۲۰۸۶

Marfat.com

"اسلامی تنظیم برائے طبی علوم" کی تیسری کانفرنس منعقدہ ۱۹۸۷ء میں جو قرارداد منظور کی گئی، اس کے مطابق حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت ۲۸۰ دن یا بعض استثنائی حالات میں ۳۳۰ دن قرار دی گئی۔[۱]

توضیحی مثالیں

اصل مسئلہ ۸		
حاملہ بیوی	۱/۸	۱
بیٹا	عصبہ	۷
حمل (بیٹا)	عصبہ	

اس مثال میں حمل کو اگر بیٹی فرض کیا جائے تو اس کو بیوی سے باقی ماندہ ترکہ کا ۳/۱ حصہ ملے گا۔ اور اگر بیٹا فرض کرتے ہیں تو اس کو باقی ماندہ کا ۲/۱ ملے گا۔ لہٰذا یہاں حمل کو بیٹا فرض کر کے اس کے لیے بہتر حصہ یعنی بیوی کو حصہ دے کر بچے رہنے والے ترکہ کا نصف ۲/۱ محفوظ رکھیں گے۔

اصل مسئلہ ۶ عول ۸		
شوہر	۱/۲	۳
ماں (حاملہ)	۱/۶	۱
ماں شریک بھائی	۱/۶	۱
حمل (سگی بہن)	۱/۲	۳

۲۔ مجلة كلية الشريعة والدراسات الإسلامية، جامعہ کویت، شمارہ شعبان ۱۴۲۸ھ

Marfat.com

اس مثال میں حمل کو اگر لڑکا (سگا بھائی) فرض کریں تو وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ ۱/۶ کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اگر لڑکی (سگی بہن) فرض کریں تو وہ اصحاب الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے ۱/۲ کی مستحق ہے۔ اور اس صورت میں چونکہ یہ مسئلہ ۶ سے ۸ کی طرف عول کرتا ہے، اس لیے آٹھ میں سے تین ۳/۸ کی مستحق ہوگی۔ لہٰذا یہاں حمل کو سگی بہن فرض کرتے ہوئے اس کے لیے ۳/۸ حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔

اصل مسئلہ ۶، عول ۹		
شوہر	۱/۲	۳
ماں	۱/۶	۱
ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۲
حمل (باپ شریک بہن)	۱/۲	۳ محفوظ

اس مثال میں میت دیگر وُرثا کے علاوہ سوتیلی ماں چھوڑ کر فوت ہوا ہے۔ سوتیلی ماں کو تو حصہ نہیں ملے گا، البتہ حمل کو اگر لڑکا (سوتیلا بھائی باپ کی طرف سے) فرض کیا جائے تو وہ عصبہ ہوگا اور حصے مکمل ہو جانے کی وجہ سے اس کے لیے کچھ نہیں بچتا، اس طرح وہ محروم رہے گا۔ جبکہ اگر اسے سوتیلی بہن (علاتی) فرض کیا جائے تو وہ ۱/۲ کی مستحق بنتی ہے اور حصے زیادہ ہونے کی وجہ سے مسئلے میں عول آگیا، اس طرح اس کا حصہ ۳/۹ بنتا ہے جو اس کے لیے محفوظ رہے گا۔

	۶		۶
۱/۲ سگی بہن	۳	۱/۲ سگی بہن	۳
۱/۶ باپ شریک بہن	۱	۱/۶ باپ شریک بہن	۱
۱/۶ ماں (حاملہ)	۱	۱/۶ ماں (حاملہ)	۱
۱/۶ حمل (ماں شریک بھائی)	۱	۱/۶ حمل (ماں شریک بہن)	۱

Marfat.com

اس مثال میں حمل کو چاہے بچہ فرض کیا جائے یا بچی، دونوں صورتوں میں اس کا حصہ ایک ہی رہے گا۔

ماں شریک بھائی

بہو حاملہ

حمل (پوتا + پوتی) محفوظ

اس مثال میں میت کے وُرثا ایک سوتیلا ماں شریک بھائی اور حمل ہے۔ حمل کو چاہے لڑکا فرض کیا جائے یا لڑکی، بہر صورت سوتیلا بھائی محروم رہے گا۔ اس لیے ایسی صورت میں پورا ترکہ وضع حمل تک محفوظ رکھا جائے گا۔

۲۔ خُنثیٰ (Hermaphrodites)

خنثیٰ وہ شخص ہے جو زنانہ اور مردانہ دونوں اعضا رکھتا ہو۔ پھر اگر مردانہ عضو سے پیشاب کرے تو مرد کے حکم میں ہو گا، ورنہ عورت کے حکم میں ہو گا۔ اگر دونوں اعضا سے پیشاب کرتا ہو تو پھر جس عضو سے پیشاب پہلے خارج ہوا ہو اس کا اعتبار ہو گا۔

اگر دونوں اعضا سے بیک وقت پیشاب کرتا ہو، یا دونوں اعضا ہی نہ رکھتا ہو (صرف سوراخ ہو)، تو اسے خُنثیٰ مشکل کہتے ہیں۔ بلوغت سے قبل اس کو مرد کہا جا سکتا ہے اور نہ عورت۔ پھر بلوغت کے بعد اگر مردانہ علامات ظاہر ہو جائیں، تو وہ مرد کے حکم میں ہو گا اور اگر زنانہ علامات ظاہر ہوں تو عورت کے حکم میں ہو گا۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں اب یہ خُنثیٰ مشکل نہ رہا۔

میراث پانے میں خُنثیٰ مشکل کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو عورت قرار دینے کی صورت میں حصہ کم ملتا ہو تو اسے عورت قرار دیں گے اور اگر مرد قرار دینے میں اس کو حصہ کم ملتا ہے تو اسے مرد قرار دیں گے، بہر حال کم تر حصہ اس کو ملے گا۔

Marfat.com

نوٹ: خُنثیٰ مشکل کو کم تر حصہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ زیادہ حصہ مقرر کرنا شک کی بات تھی اور کم حصہ یقینی ہے، دوسرے شاید اس میں معاشی حکمت یہ ہو کہ خنثیٰ مشکل کو اولاد نہیں ہو سکتی، لہٰذا ترکہ کو دیگر وارثوں پر صرف کرنا بہتر ہے۔

توضیحی مثالیں

وارث	کل حصے ۴
بیٹا	۲
بیٹی	۱
خُنثیٰ	۱

اس مثال میں اگر خُنثیٰ کو بیٹا قرار دیں تو وُرثا میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوں گے اور خُنثیٰ کو بیٹی کا دوگنا ملے گا۔ اگر اس کو بیٹی قرار دیں تو ایک بیٹا اور دو بیٹی ہوں گے اور خنثیٰ کو بیٹے کا ۱/۲ ملے گا۔ اس لیے اسے بیٹی قرار دیں گے اور ترکہ ۲:۱ کے حساب سے تقسیم ہوگا۔

شوہر	۱/۲	۱
سگی بہن	۱/۲	۱
خُنثیٰ (باپ شریک بھائی)	محروم	–

اس مثال میں خُنثیٰ کے لیے عورت (باپ شریک بہن) ہونا بہتر تھا، کہ اس صورت میں اسے ۱/٦ ملتا۔ مگر ہم نے اسے باپ شریک بھائی (عصبہ) فرض کر کے محروم رکھا۔ کیونکہ ذوی الفروض سے اس کے لیے کچھ نہ بچا۔

Marfat.com

۳۔ مفقود الخبر (Missing Person)

جو شخص غائب ہو جائے اور کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں، اس کو مفقود کہتے ہیں۔ وراثت کے سلسلے میں اس کی دو حالتیں ہیں:

اول یہ کہ کوئی اس کا وارث بنے۔

دوم یہ کہ وہ کسی کا وارث بنے۔

پہلی حالت کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس کی موت کا ثبوت نہ مل جائے یا عدالت اس کی موت کا فیصلہ نہ کر دے، یا اس کی عمر حنفی فقہ کے مطابق ۹۰ سال ہو جائے (مگر متاخرین نے مالکیہ کی رائے پر فتویٰ دیا ہے جس کے مطابق چار سال تک اس کا انتظار کیا جائے)، تو کوئی شخص نہ تو اس کے مال کا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی اس کی بیوی سے نکاح کر سکتا ہے۔ وہ اپنے مال اور بیوی کے بارے میں زندہ تصور کیا جائے گا۔ پھر جب اس کی موت کا ثبوت مل جائے یا عدالت اس کی موت کا فیصلہ کر دے تو اس وقت جو وُرثا زندہ ہوں وہی مستحق ہوں گے، اور جو اس سے پہلے اس کی گمشدگی کے عرصے میں وفات پا چکے ہوں وہ مستحق نہ ہوں گے، اور اسی تاریخ سے اس کی بیوی چار ماہ دس دن کی عدتِ وفات پوری کرے گی۔

دوسری حالت (یعنی خود کسی کا وارث بنے) کا حکم یہ ہے کہ مفقود کا حصہ حمل کی طرح بطور امانت محفوظ کر لیا جائے، یعنی اس کو زندہ یا مردہ تصور کر کے جس تقسیم میں باقی وُرثا کو کم حصہ ملتا ہو، اس کے مطابق ان کو حصے دے کر باقی ترکہ محفوظ رکھا جائے۔ پھر اگر وہ واپس آ جائے یا اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل جائے تو اس تقسیم کے مطابق محفوظ شدہ حصے بانٹ دیے جائیں۔ اگر موت کا ثبوت مل جائے یا عدالت اس کی وفات کا فیصلہ جاری کر دے تو اس وقت مفقود کے جو وُرثا زندہ موجود ہوں ان میں اس کا محفوظ شدہ مال تقسیم کر دیا جائے۔

Marfat.com

۴۔ ولد الزنا (Iligitimate Child)

حنفی، مالکی اور شافعی فقہا کے نزدیک ولد الزنا صرف اپنے ماں کی طرف سے وراثت کا حق دار ہو گا اور زنا کرنے والے مرد یا اس کے کسی رشتہ دار کے ترکہ سے کسی حصے کا حق دار نہیں ہو گا۔ اسی طرح ولد الزنا کے انتقال کی صورت میں اس کی ماں اور اس کے رشتہ دار اس کے ترکے کے وارث ہوں گے۔

جعفری فقہ میں زنا کے نتیجے میں وجود میں آنے والا بچہ ماں سے بھی وراثت نہیں پائے گا۔

Marfat.com

احکامِ وراثت۔ جعفری نقطۂ نظر

سنی مذاہب فقہ اور اہل تشیع (فقہ جعفری) کے مابین عصبات، حجب اور عول ورد کے بعض مسائل میں اختلاف ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

- موانع ارث میں سے ایک دین کا اختلاف ہے، جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ائمۂ اربعہ کے نزدیک نہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کافر کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے؛ لیکن جعفری فقہ کی رو سے مسلمان غیر مسلم کا وارث قرار پاتا ہے۔

قتل کے حوالے سے جعفری فقہ کی رائے مالکی فقہ کے مطابق ہے، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جاچکی ہے:

- فقہ جعفری میں مرد وعورت وُرثا کے حسب ذیل تین درجے بنائے گئے ہیں:

۱۔ ماں، باپ اور اولاد خواہ اس کا سلسلہ کتنا ہی نیچے جائے۔

۲۔ بھائی بہنیں (نیچے تک) دادا، دادی اور نانا، نانی اوپر تک۔

۳۔ چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں اور ان کی اولاد۔

جعفری فقہ کے مطابق ان میں سے پہلا درجہ باقی درجوں کے لیے حاجب (محروم کنندہ) بنتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی میت کے وارث بیٹی اور بھائی ہوں تو چونکہ بیٹی اوپر کے درجے کی ہے؛ اس لیے پورا ترکہ اسے دیا جائے گا، جبکہ بھائی وراثت سے محروم رہے گا۔

- اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جعفری فقہ میں عصبہ کا تصور نہیں، یا محدود ہے۔ ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد اگر کچھ بچ رہے تو وہ قریبی صاحب فرض کو دیا جائے گا، چاہے وہ عورت ہو۔ اہل تشیع صحیح بخاری کی حضرت طاووس والی روایت: ألحقوا

Marfat.com

الفرائض بأهلها، فما بقي فلأولی رجل ذکر کو طاووس (راویِ حدیث) کے ان کے ہاں ضعیف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں مانتے۔

- عول کے حوالے سے بھی جعفری فقہ کا نقطۂ نظر اہل سنت سے مختلف ہے۔ وہ عول کے قائل نہیں، بلکہ میاں بیوی اور ماں باپ کو ان کے پورے حصے دینے کے بعد جو بچتا ہو، وہ بیٹیوں اور بہنوں کو دے دیتے ہیں؛ اس طرح ان کے نزدیک کمی بیٹیوں اور بہنوں کے حصے میں آئے گی نہ کہ میاں بیوی اور ماں باپ کے حصوں میں؛ کیونکہ ان کے نزدیک ان مؤخر الذکر وُرثا کے حصے قرآن مجید نے متعین کر رکھے ہیں۔
- اہل تشیع کے نزدیک بیٹی کا درجہ بیٹے جیسا ہے، چنانچہ وہ پوتوں پوتیوں اور ہر قسم کے بہن بھائیوں کو محجوب کر دیتی ہے۔
- جعفری فقہ کے مطابق ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو تمام ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے مطابق دوبارہ دیا جائے گا، اگر اس سے بالائی درجے کا وارث موجود نہ ہو، لیکن اگر بالائی درجے کا وارث موجود ہو تو باقی ماندہ ترکہ اس کا ہوگا، جیسے ماں اور باپ؛ اس صورت میں ماں اپنا مقررہ حصہ لے گی اور باقی باپ کا ہوگا۔ لیکن اگر ذوی الفروض میں سے کسی وارث کے ساتھ ایسا وارث موجود ہو جو اس کا ہم درجہ نہیں؛ تو باقی ماندہ ترکہ اس صاحب فرض شخص کو دیا جائے گا، جیسے اگر کسی مسئلے میں ماں اور بھائی ہوں تو ماں کو ایک تہائی اس کے حصے کے طور پر اور باقی ماندہ ترکہ رد کے طور پر دیا جائے گا اور بھائی کو کچھ نہیں دیا جائے گا؛ اس لیے کہ وہ دوسرے درجے سے تعلق رکھتا ہے۔

Marfat.com

پاکستان میں وراثت سے متعلق قوانین

قیام پاکستان سے قبل برطانوی عہد حکومت میں وراثت کو شخصی (personal) معاملات میں رکھا گیا تھا جن کے بارے میں اصولی طور پر یہ طے کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے ان معاملات سے متعلق امور احکام شریعت کے مطابق طے کیے جائیں گے اور انگریز حکومت ان سے متعلق کوئی ایسی قانون سازی نہیں کرے گی جو احکام شریعت سے متصادم ہو۔ چنانچہ برطانوی استعمار کے دور میں بھی عدالتیں وراثت سمیت مسلمانوں کے تمام شخصی معاملات شریعت کے مطابق طے کرتی تھیں اور حکمرانوں کی طرف سے کوئی باقاعدہ قانون سازی یا ضابطہ بندی نہیں کی گئی۔ برصغیر میں چونکہ مسلمانوں کی اکثریت حنفی فقہ کی پیروکار ہے، اس لیے ان معاملات میں حنفی فقہ کو بنیاد بنایا گیا۔ اسی دور میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ انگریزی زبان میں ایسی کتابیں تیار کی جائیں جو انگریزی عدالتوں کو فقہ حنفی کے مطابق فیصلے کرنے میں مدد دے سکیں۔ چنانچہ A Rumsy نے فقہ حنفی کی میراث پر مستند کتاب السراجیہ کا انگریزی ترجمہ کیا۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اگرچہ انگریز حکمرانوں نے یہ طے کیا تھا کہ دیگر شخصی معاملات کے ساتھ ساتھ وراثت کو احکام شریعت کے مطابق طے کیا جائے گا، تاہم انہوں نے میت کے ترکہ کے منتقل ہونے سے متعلق برصغیر میں رائج چند ایسی رسوم کو قانونی تحفظ فراہم کیا جو شریعت کے منافی تھیں۔ خاص طور پر پنجاب میں رواج کہ کسی شخص کی وفات پر اس کی بیوہ، والدہ، بہن یا لڑکی اس کی جائداد پر اپنی زندگی تک قبضہ رکھ کر اس کی آمدنی پر گزارہ کرتی رہے اور اس خاتون کے انتقال پر یہ جائداد مرحوم کے مرد رشتہ داروں کی طرف لوٹ جائے۔

قیام پاکستان کے بعد یہ صورت حال برقرار رہی البتہ شریعت سے متصادم رسوم کو جو قانونی تحفظ حاصل تھا اسے بڑی حد تک ختم کر دیا گیا۔ چنانچہ پہلے ۱۹۴۸ء اور پھر ۱۹۶۲ء میں

Marfat.com

مسلم شخصی قانون (نفاذ شریعت قانون) کا نفاذ عمل میں لایا گیا جس کے تحت یہ قرار دیا گیا کہ مسلمانوں کے ۱۴ شخصی معاملات شریعت کے مطابق طے پائیں گے اور ان میں شریعت کا فیصلہ ہی قانونی شمار ہوگا۔ ان معاملات میں وراثت سرفہرست ہے۔ اس حوالے سے West Pakistan Muslim Personal Law (Shariat Application) Act 1962 کی دفعہ ۲ درج ذیل ہے:

Notwithstanding any custom or usage, in all questions regarding succession (whether testate or intestate), special property of female, betrothal, marriage, divorce, adoption, guardianship, minority, legitimacy or bastardy, family relations, will, legacies, gifts, religious usages or institutions including waqfs, trusts and trust properties, the rule of decision, subject to the provision of any enactment for the time being in force, shall be the Muslim Personal Law (Shariat) in case where the parties are Muslim.

(قطع نظر کسی رواج یا رسم کے، وراثت، خواتین کی خصوصی جائداد، پیغام نکاح، نکاح، طلاق، مہر، تبنّیت، ولایت، نابالغیت، ابنیت، تعلقات اقربا، وصیت، ہبہ، مذہبی رسومات اور ادارے جن میں وقف، ٹرسٹ اور ٹرسٹ جائداد شامل ہیں، ان سے متعلق تمام امور مسلم پرسنل لا کے تحت طے کیے جائیں گے اگر فریقین مسلمان ہوں بشرطیکہ اس پر کوئی قانون موجود نہ ہو)۔

اگرچہ مذکورہ بالا معاملات کے تصفیے کے لیے شریعت کو فیصلہ کن قرار دیا گیا ہے، لیکن اس سے ایک استثنار کھا گیا ہے جیسا کہ اس دفعہ میں مذکور ہے کہ یہ معاملات صرف اسی وقت شریعت کے مطابق طے ہوں گے جب تک حکومت کی طرف سے ان کے بارے میں کوئی قانون سازی نہ کی گئی ہو، اور حکومت نے اگر کوئی ایسا قانون نافذ کیا جو ان معاملات کے بارے میں کوئی حکم وضع کرتا ہو تو اسے ترجیح حاصل ہوگی، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان قوانین میں کوئی شق اگر خلاف شریعت بھی ہو تو وہ نافذ العمل ہوگی۔

Marfat.com

وراثت سے متعلق حکومت کی طرف سے اب تک جو قانون سازی کی گئی ہے وہ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء دفعہ ۴ ہے جو یتیم پوتے کی وراثت سے متعلق ہے۔ اس سے متعلق گفتگو پیچھے "یتیم پوتے کی وراثت" کے تحت تفصیل سے گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ پاکستان میں مسلمانوں کے احکام وراثت کو بڑی حد تک شریعت کے مطابق طے کیا جاتا ہے اور یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلے کے علاوہ اس سلسلے میں ریاست کی طرف سے کوئی باقاعدہ اور مفصل ضابطہ بندی یا تدوین عمل میں نہیں لائی گئی، بلکہ قانون کی عدم تدوین سے کام لیتے ہوئے صرف اتنا قرار دیا گیا ہے کہ وراثت احکام شریعت کے مطابق تقسیم ہوگی۔

خواتین کے حق وراثت کے بارے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ

آج کل مسلم معاشروں بالخصوص پاکستان میں قرآن و سنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے بعض لوگ خواتین ورثا کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھتے ہیں اور مورث سے منتقل ہونے والی جائداد خاص طور پر زرعی زمین ان کے حوالے نہیں کرتے۔ پاکستان میں اس رجحان کے بارے میں سپریم کورٹ نے غلام علی بنام غلام سرور نقوی مقدمے میں خواتین کے حق وراثت کے تحفظ کی خاطر درج ذیل اصول وضع کیے ہیں:

- کوئی بھائی زمین پر قبضے جسے قانون کی زبان میں قبضہ مخالفانہ (adverse possession) کہتے ہیں، اسے اپنی بہن کے خلاف قانونی جواز کے طور پر پیش نہیں کرسکتا۔ ترکہ میں منتقل ہونے والی جائداد پر کسی ایک وارث کے قبضے کو تمام ورثا کے قبضے میں سمجھا جائے گا اور جن ورثا کے پاس اس جائداد کا حقیقی قبضہ نہ ہو، ان کے بارے میں سمجھا جائے گا کہ وہ ان کے معنوی (constructive) قبضے میں ہے، چنانچہ بھائیوں کے قبضے میں جائداد بہنوں کے قبضے میں بھی سمجھی جائے گی۔

Marfat.com

- ریاست یعنی ریاستی اداروں اور عدالتوں کی جانب سے خواتین کے حق وراثت کو تسلیم اور نافذ کرنا اسلام میں public policy کی حیثیت رکھتا ہے؛ خواتین کو حق وراثت سے محروم کرنا پبلک پالیسی کے خلاف ہے۔ چنانچہ اگر کوئی عورت اپنی مرضی سے بھی حق چھوڑ دے، تو وہ پبلک پالیسی کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل قرار پائے گا۔
- اسلام میں خواتین بالخصوص قریبی رشتہ دار جیسے بیٹیاں، بہنیں، بیویاں اور مائیں، ان کے بارے میں جس طرح کے حسن سلوک کا کہا گیا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کے حقوق خود بخود نافذ ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے کسی بھائی کا یہ کہنا کہ اس کی بہن اپنے حق وراثت سے اس کے حق میں دست بردار ہوگی، غیر اخلاقی متصور ہوگا۔
- کسی خاتون نے چاہے اپنا حصہ مرد وارث کو تحفہ یا فروخت کے ذریعے دیا ہو، اسے بھی ناجائز اثر (undue influence) کے تحت قانونی تحفظ حاصل ہوگا اور ایسے تمام تصرفات کے بارے میں بنیادی مفروضہ یہی ہوگا کہ ان میں اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے۔*

* Hamid Khan, The Islamic Law of Inheritance, pp. 221 - 222

Marfat.com

TABLE OF SHARERS*

	Sharer	Normal Share of One	Two or more divided equally	Conditions for inheritance of normal share	Shares as varied by special circumstances
1	Father	1/6		When there is a child or child of a son hls	The father inherits as a sharer and is a residuary with a female descending heir, and as a residuary in the absence of any descendant
2	True Grandfather hhs	1/6		When there is child or child of a son hls and no father or nearer true grandfather	With no father, the same as for father above. With full or consanguine brothers or sisters (a) according to Malik, the more advantangeous of 1/3 or a brother's share in the absence of sharers, with a sharer the more advantageous of a brother's share, 1/6 or 1/3 of the residue, taking twice a full sister's share out of their shares total (b) Egyptian Law: the more advantageous of a brother's share of 1/6 or as a residuary with sisters inheriting as sharers.
3	Husband	1/4		When there is a child or child of a son hls	1/2 when there is no child or child of a son hls
4	Wife or Wives	1/8	1/8	When there is a child or child of a son hls	1/4 when there is no child or child of a son hls

* Hamid Khan, The Islamic Law of Inheritance, pp. 85 - 87

Marfat.com

5	Mother	1/6		As for father above. OR when there are two or more brothers or sisters. or one brother and one sister. whether full sonsanguine or uterine	1/3 when no child or child of a son hls and no more than one brother or sister (if any). When there is also a wife or husband as well as the father. only 1/3 of remainder after deducting the husband's or wife's share.
6	True Grand-mother hhs	1/6	1/6	When no mother and no nearer true grand-mother either paternal or maternal	Paternal tue grandmother is entirely excluded by the father and a grandfather through whom she is related to the deceased.
7	Daughter	1/2	2/3	When there is no son	She becomes a residuary with a son. taking half his share
8	Son's Daughter hls	1/2	2/3	When there is no son. daughter. higher son's daughter or equal son's son	No share at all with a higher son's son. No share with two daughters or two higher son's daughters. unless she becomes a residuary with an equal or inferior son's son when she gets half his share, 1/6 on her own share with like son's daughter. when there is one daughter or higher son's daughter if there is no male co-residuary.
9	Full sister	1/2	2/3	When no child. child of a son hls. father or full brother	No share at all with a male descendant hls. or a father. Only the Hanafis make a true grandgather exclude her as well. She

Marfat.com

					becomes a residuary with a full brother taking half the share of a male. sharing one third with uterine siblings. and a residuary by a female decendant, e.g. dauthter or son's daughter hls if there is no full brother.
10	Consanguine sister	1/2	1/2	When no child. child of a son hls. father. full brother or sister or consanguine brother	No share at all with the father. an inheriting male descendant hls. a full brother or a full sister becoming residuary with daughters. No share when there are two full sisters unless there is a consanguine brother with whom she becomes a residuary and takes 1/2 his share. 1/6 as a sharer on her own or sharing it with like sister/s where there is one full sister and no consanguine brother. As a residuary with an inheriting female descendant.
11 & 12	Uterine brother or sister	1/6	1/3	When no child. child of a son hls. father. or true grandfather	A male receives the same share as a female.

Marfat.com

Marfat.com

حصہ دوم

وصیّت

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱

تمہیدی مباحث

وصیت: تاریخی تناظر

وصیت مختلف قوموں میں زمانہ قدیم ہی سے رائج رہی ہے لیکن بعض زمانوں میں یہ کمزوروں پر ظلم کا موجب بھی بنی رہی ہے۔ مثلاً روم میں خاندان کے سربراہ کو اپنے مال میں ہر طرح کے تصرف کا غیر مشروط حق حاصل تھا، اس حق کو استعمال کرتے ہوئے وہ کسی اجنبی کے لیے وصیت کر دیتا اور اپنی حقیقی اولاد کو مال سے محروم کر دیتا۔ پھر ایک ایسا دور بھی آیا جب باقاعدہ قانون سازی کر کے حقیقی اولاد کو میراث کے بیشتر حصے سے محروم کر کے محض چوتھائی مال حاصل کرنے کا حق دیا گیا۔

عربوں کے ہاں بھی زمانہ جاہلیت میں صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ وہ اولاد کو نظر انداز کر کے اجنبیوں کے لیے اپنے مال کے متعلق وصیت کر جاتے تھے۔ جس کا منشا صرف اور صرف اظہارِ فخر ہوتا تھا۔ یوں متوفی کے عزیز و اقارب تو سخت محتاجی کی حالت میں رہ جاتے اور اجنبی اشخاص مرنے والے کے مال سے خوب فائدہ اٹھاتے۔*

وصیت اسلام میں

جب اسلام آیا تو اس نے محل وصیت کو صحیح رخ عطا کیا اور اس کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھی۔ ابتدائی احکام میں والدین اور اعزہ و اقارب کے لیے وصیت کرنا فرض قرار دیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا

* الفقه الإسلامي وأدلته ٨: ٤٣ (بحوالہ: عیسوی احمد عیسوی، الوصية في الشريعة الإسلامية)

Marfat.com

الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے باپ اور قرابت والوں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے)۔

ہجرتِ مدینہ اور غزوۂ اُحد کے بعد میراث کی تقسیم کا مکمل اور مفصل نظام نازل کیا گیا، جس میں ہر حق دار کے لیے اس کا حصہ مقرر کر دیا گیا، اور وصیت کا درجہ فرض سے گھٹا کر مستحب کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کو درج ذیل دو باتوں سے مشروط کر دیا گیا:

۱۔ وصیت وارث کے حق میں نافذ نہ ہوگی، الا یہ کہ دوسرے وُرثا اجازت دے دیں۔ نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث[1] (اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق بتا دیا ہے، لہٰذا اب وارث کے حق میں وصیت کی گنجائش نہیں)۔

۲۔ وصیت مال کے صرف ایک تہائی حصہ تک محدود ہو، اس سے زیادہ کے بارے میں وصیت کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا: الثلث، والثلث كثير، إنك أن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكفّفون الناس[2] (ہاں تہائی ٹھیک ہے گو کہ یہ بھی زیادہ ہے، تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاجی کی حالت میں چھوڑو کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں)۔

وصیت کی تعریف

لغوی طور پر وصیت کا استعمال درج ذیل تین معنوں میں ہوتا ہے:

۱۔ سنن ترمذی، ابواب الوصایا، باب ما جاء لا وصية لوارث، حدیث ۲۱۲۰؛ سنن نسائی، کتاب الوصایا، باب إبطال الوصية للوارث، حدیث ۳۶۴۱ (نیز یہ حدیث ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ میں بھی روایت ہوئی ہے)

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصية بالثلث، حدیث ۲۷۴۲

Marfat.com

۱۔ کسی کے حق میں مال کی وصیت کرنا، یعنی اپنی وفات کے بعد مال کا مالک بنانا۔

۲۔ کسی کو اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرنا، یعنی اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کا کہنا۔

۳۔ کسی کو بھلائی کے کاموں، نماز وغیرہ کی وصیت کرنا، یعنی نماز کا حکم دینا۔[1]

وصیت فقہی اصطلاح میں

حنفی فقہا کے نزدیک وصیت سے مراد تملیک (کسی چیز کا مالک بنانا) ہے، یعنی کسی دوسرے کو اپنی کسی چیز کا اپنے مرنے کے بعد کے زمانے کی طرف نسبت کر کے مالک بنا دینا وصیت کہلاتا ہے۔ وصیت میں ہبہ کی طرح دوسرے کو بلا کسی عوض مالک بنایا جاتا ہے، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے میں دوسرے کو اپنی زندگی میں ہی بلا عوض کسی چیز کا مالک بنا دیا جاتا ہے جبکہ وصیت میں یہ عمل وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے۔ لہٰذا وصیت میں جو چیز اسے دوسرے معاہدوں یا تصرفات سے جدا کرتی ہے وہ اس کا موت کے بعد روبعمل ہونا ہے۔ وصیت جس طرح کسی چیز کی ذات (ذات شے) کے متعلق کی جاسکتی ہے اسی طرح کسی چیز سے حاصل ہونے والے فائدے کی بھی کی جاسکتی ہے۔

وصیت کرتے وقت ان الفاظ کا استعمال کرنا جو موت کی طرف منسوب ہوں ضروری نہیں؛ بلکہ صرف یہ کہنا کہ "میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں" کافی ہوگا، اگرچہ "میرے مرنے کے بعد" کے الفاظ استعمال نہ کرے۔

وصیت اس صورت میں بھی صحیح ہوگی، جب صراحۃً وصیت کا لفظ استعمال نہ کرے بلکہ ایسی بات کہے جو وصیت پر دلالت کرتی ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کہے: "میرے مال میں سے

۱۔ جزیری، عبدالرحمٰن، الفقه علی المذاهب الأربعة/ اردو ترجمہ کتاب الفقہ، مترجم منظور احسن عباسی، طبع دوم، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب ۳: ۴۲۵

Marfat.com

ایک تہائی فلاں کے لیے ہے؛" تو یہ بات وصیت تصور کی جائے گی، کیونکہ ایک "تہائی حصہ" موت کے بعد کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اگر یوں کہے کہ "میرا آدھا مال یا مال میں سے یا میرے چوتھائی مال میں سے،" تو یہ وصیت کے معنوں میں درست نہ ہو گا، اِلا یہ کہ وصیت کا لفظ صراحۃً استعمال کرے۔

مالکی فقہا کے ہاں وصیت کو ایک عقد تصور کیا گیا ہے، جس کی رو سے وصیت کرنے والے کے ایک تہائی مال میں اس کی وفات کے بعد کسی کا حق واجب ہو جاتا ہے۔

شافعی فقہا کے نزدیک وصیت کسی شخص کے حق میں بخشش کرنا ہے جس پر عمل درآمد کو وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد سے منسوب کیا گیا ہو۔ چاہے وفات کا ذکر صراحۃً کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔*

وصیت کی مشروعیت

وصیت کا مشروع (جائز) ہونا چار دلائل سے ثابت ہوتا ہے:

۱۔ قرآن کریم ۲۔ سنت مطہرہ ۳۔ اجماع ۴۔ عقل وقیاس

۱۔ قرآن کریم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے)۔

* ایضاً

Marfat.com

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء۴: ۱۲] (اس وصیت کی تکمیل کے بعد جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے فرض کے بعد)۔ اور ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء۴: ۱۲] (اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائگی کے بعد)۔

پہلی آیت مبارکہ اعزہ واقارب کے لیے وصیت کا جائز ہونا بتلاتی ہے، جبکہ باقی دونوں آیات ادائگیِ قرض اور وصیت کو مقدم قرار دیتے ہوئے میراث کو مؤخر کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حکماً وصیت کا نفاذ، قرض کی ادائگی کے بعد ہوگا۔*

ایک اور آیت کریمہ جو وصیت کا مشروع (جائز) ہونا بتلاتی ہے، وہ یہ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ [المائدۃ۵: ۱۰۶] (اے ایمان والو، جب تم میں سے کوئی مرنے لگے تو وصیت کے وقت تم میں سے یا تمہارے غیروں میں سے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں)۔ اس آیت مبارکہ میں حالت سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا حکم ہوا ہے، چنانچہ اگر وصیت مشروع نہ ہوتی تو اس پر گواہ بنانے کا حکم نہ دیا جاتا۔

۲۔ سنتِ مطہرہ

آں حضرت ﷺ کی سنت سے بھی وصیت کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس حوالے سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا واقعہ مشہور ہے جسے مختلف کتب حدیث میں روایت کیا گیا ہے:

* الفقہ الإسلامي وأدلته ۱۰: ۴۴۷

Marfat.com

قال سعد بن أبي وقاص، جاءني رسول اللهﷺ يعودني عام حجة الوداع من وجع اشتدّ بي، فقلت يا رسول الله، إني بلغ بي من الوجع ما ترى، وأنا ذو مال ولا يرثني إلا ابنة لي، أفأ تصدق بثلثي مالي؟ قال: لا، قلت فالشطر يا رسول الله؟ قال لا، فقلت، فالثلث، قال: الثلث، والثلث كثير، إنك أن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس[1] (حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میں سخت بیمار پڑ گیا اور حضور ﷺ میری عیادت کرنے تشریف لائے۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول، آپ میری بیماری کی کیفیت ملاحظہ فرما رہے ہیں، میرے پاس مال ہے جبکہ میرے ورثا میں صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں دو تہائی مال صدقہ (کرنے کی وصیت) کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے عرض کی: آدھا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر میں نے عرض کی: ایک تہائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک تہائی کی وصیت کر سکتے ہو، اور ایک تہائی بہت ہے، تم اپنے وُرثا کو مال دار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج و تنگ دست چھوڑ کر جاؤ اور وہ تمھارے بعد لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں)۔

دوسری حدیث جو وصیت کا مشروع ہونا بتلاتی ہے وہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إن الله تصدّق عليكم عند وفاتكم بثلث أموالكم زيادة لكم في أعمالكم، تصنعونها حيث شئتم أو قال حيث أحببتُم[2] (اللہ تعالیٰ نے تمہارے نیک اعمال میں اضافے کے لیے تم پر یہ احسان کیا کہ تمھیں موت کے وقت تمہارے مال

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصية بالثلث، حدیث ۲۷۴۲

۲۔ اس حدیث کو پانچ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ابن ماجہ نے روایت کی ہے: سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الوصية بالثلث، حدیث ۲۷۰۹

Marfat.com

کے ایک تہائی حصے کی وصیت کرنے کی اجازت دی، چنانچہ جہاں چاہو اسے استعمال کرنے کی وصیت کرو)۔

یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر کرم ہے کہ اس نے وفات کے بعد بھی ان کے لیے اپنے ترکے میں تصرف کی آزادی رکھی ہے تاکہ زندگی میں اگر ان سے نیکی کے کام کرنے میں کوئی کمی کوتاہی ہوگئی ہو تو وہ اس کے ذریعے سے اس کا ازالہ کر سکیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت ہے جو وصیت کو جلد سے جلد لکھ کر اپنے پاس رکھنے کی ترغیب دلاتی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ما حق امرئ مسلم، له شيء يوصي فيه، يبيت ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده* (وہ مسلمان جس کے پاس وصیت کرنے کے لیے کوئی چیز ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بغیر وصیت کرے دو راتیں بھی گزار دے الا یہ کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی موجود ہونی چاہیے)۔

۳۔ اجماع

اہل علم کا ہر زمان ومکان میں وصیت کے مشروع ہونے پر اجماع رہا ہے۔

۴۔ عقل وقیاس

ہر مومن ومسلم کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی نیکیوں میں کسی نہ کسی طرح اضافہ ہو سکے۔ لہٰذا یہ بات عقل وقیاس کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے کہ اپنی زندگی ہی میں وہ کچھ ایسا بندوبست کر جائے کہ مرنے کے بعد بھی اسے اس کا اجر وثواب ملتا رہے۔ اس خواہش کے پورا ہونے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسے اپنے مال کے حوالے سے کچھ ایسا اختیار دیا جائے کہ وہ مرنے کے بعد اس میں تصرف کر سکے۔ یہ اختیار وصیت کے ذریعے عطا کر دیا گیا ہے۔

* صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصیة بالثلث، حدیث ۲۷۴۳؛ صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب الوصیة من الثلث، حدیث ۱۶۲۷

Marfat.com

وصیت کی حکمت

وصیت کو مشروع و جائز قرار دینے میں دو طرح کی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ایک دنیا کے فائدے سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری آخرت کے اجر و ثواب سے۔

ا۔ دنیوی فائدہ

وصیت کے ذریعے سے ان غریب، نادار اور مسکین اعزہ وا قارب کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے جو وارث نہ ہوں۔ مثلاً پوتا جو کہ (اپنے باپ کی موجودگی میں) شرعی طور پر دادا کا وارث نہیں بن سکتا، مگر وصیت کے ذریعے سے دادا اپنے پوتے کو کچھ نہ کچھ دے سکتا ہے۔

۲۔ ثوابِ آخرت

جیسا کہ بیان کیا گیا، وصیت کے ذریعے سے انسان اپنے نیک اعمال میں اضافہ کرسکتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں ہونے والی کمی کوتاہی کا ازالہ کرسکتا ہے، مثلاً اپنے غریب و نادار رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنے میں ایک تو صلہ رحمی کا اور دوسرے صدقہ کا ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح یہ ایک تہائی مال خیر و بھلائی کے دیگر کاموں کے لیے وقف بھی کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً عام مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کوئی کنواں، نہر، پل، سڑک، سرائے یا ہسپتال وغیرہ کی تعمیر کرنے کی وصیت کرنا، مسجد، سکول اور مدرسہ وغیرہ کی تعمیر و اجرا کی وصیت کرنا۔ جب تک یہ ادارے قائم رہیں گے صدقہ جاریہ کی صورت میں مُوصی (وصیت کنندہ) کو عرصہ دراز تک ثواب پہنچنے کا ذریعہ بنے رہیں گے۔

وصیت کی اقسام

وصیت کی دو اقسام ہیں:*

ا۔ مطلق ۲۔ مقید / معلّق وصیت

* ابن قدامہ، المغنی ۸: ۴۲۲

Marfat.com

۱۔ مطلق وصیت

مطلق وصیت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص صرف یہ کہے کہ میں فلاں کے لیے اپنے مال کے فلاں حصے کی وصیت کرتا ہوں۔ مطلق وصیت کا حکم یہ ہے کہ اس کا نفاذ کسی شرط یا قید کے پورا ہونے پر موقوف نہیں ہوتا۔

۲۔ مقید وصیت

مقید وصیت وہ ہوتی ہے جس کا پورا ہونا کسی بات سے مشروط کر دیا گیا ہو، یا اس کے پورا ہونے کے لیے کوئی قید لگا دی گئی ہو، مثلاً یہ کہے کہ اگر میں اس بیماری سے مر جاؤں یا اس شہر میں مر جاؤں یا فلاں سفر کے دوران مر جاؤں تو فلاں کے لیے میرے مال کا اتنا حصہ ہے۔ اس حالت میں اگر شرط پوری ہو جائے تو وصیت نافذ ہو گی اور اگر شرط پوری نہ ہو تو شرط کے پورا نہ ہونے کے باعث باطل ہو جائے گی۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۲

وصیت کا حکم شرعی اور اقسام

وصیت کی شرعی حیثیت مختلف حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں وصیت فرض قرار دی گئی تھی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں وراثت صرف انہی لوگوں کو ملتی تھی جو جوان مرد ہوں اور جنگ میں شریک ہونے کی اہلیت و استطاعت رکھتے ہوں (جیسا کہ میراث کے حصے میں بیان ہوا)۔ اس طرح کمزور، بوڑھے، ضعیف مرد و خواتین اور کم سن بچوں کا حق مارا جاتا تھا، لہٰذا مکمل نظام وارثت کے نفاذ سے قبل حکمت و تدبر کے تحت لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے غریب و مسکین اقارب کو کچھ دے جانے کی وصیت کر جایا کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرہ ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور پیچھے مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے)۔

بعد میں جب مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت قائم ہوئی اور میراث کی تقسیم کا مکمل نظام نازل ہوا، جس میں ہر حق دار کو اس کا حق دیا گیا اور وُرثائے ترکہ کا تعین کر کے ان کے حصے مقرر کر دیے گئے، تو وصیت کو فرض کے بجائے مستحب قرار دیا گیا اور اس کے لیے ایک تہائی ترکہ کی حد مقرر کی گئی۔ بعد ازاں مذکورہ بالا آیت کا حکم آیاتِ میراث کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا۔*

* مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ ۲: ۶۸۸

Marfat.com

حکم شرعی کے لحاظ سے وصیت کی اقسام

۱۔ واجب ۲۔ مستحب ۳۔ مباح ۴۔ مکروہ تحریمی ۵۔ حرام

۱۔ واجب

تمام فقہا کے نزدیک ان چیزوں کے بارے میں وصیت کرنا انسان پر لازم اور واجب ہے جو اس کے ذمے دوسرے انسانوں کا حق ہوں، مثلاً ایسا قرض جس کے بارے میں وارثوں کو علم نہ ہو، یا اس کے لیے کوئی تحریری دستاویز موجود نہ ہو، یا لوگوں کی امانتیں اس کے پاس موجود ہوں۔ مالکی اور حنبلی فقہا کے نزدیک حج، زکاۃ، نذر کا کفارہ یا کسی اور واجب الادا عبادت کے بارے میں وصیت کرنا بھی واجب ہے۔

کسی فرض یا واجب کام کی وصیت کا زبانی کہہ دینا یا لکھ کر اپنے پاس ہر وقت رکھنا ضروری ہے، تاکہ اچانک موت آجانے کی صوت میں حق داروں کی حق تلفی نہ ہو، ورنہ آدمی گناہ گار ہوگا۔

جہاں تک مذکورہ بالا صورت کے علاوہ ازراہ احسان کسی کے لیے وصیت کا تعلق ہے تو جمہور فقہا کا موقف ہے کہ ایسی وصیت انسان پر واجب نہیں۔ البتہ بعض فقہا جیسے زہریؒ، طاووسؒ، مسروقؒ، قتادہؒ، ابن جریرؒ، ابن حزمؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں بھی وصیت واجب ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں وصیت کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۰-۱۸۱] (تم پر فرض کردیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور پیچھے مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کرجائے، پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے۔ یہ

Marfat.com

حق ہے متقی لوگوں پر۔ پھر جنہوں نے وصیت سنی اور بعد میں اسے بدل ڈالا تو اس کا گناہ ان بدلنے والوں پر ہو گا۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے)۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ (وہ مسلمان جس کے پاس وصیت کرنے کے لیے کوئی چیز ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بغیر وصیت کرے دو راتیں بھی گزار دے الا یہ کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی موجود ہونی چاہیے)۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ حدیث سنی ہے تب سے مجھ پر ایک رات بھی ایسی نہیں گزری کہ میرے پاس وصیت (لکھی ہوئی) موجود نہ ہو۔[1]

جمہور فقہا جو مذکورہ بالا صورت میں وصیت کے عدم وجوب کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اکثر صحابہ نے اپنے مال کی وصیت نہیں کی اور نہ ہی ان پر اس وجہ سے کوئی اعتراض کیا گیا؛ اگر وصیت وجوب کے درجہ میں ہوتی تو یقیناً صحابہ اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ جہاں تک سورۃ البقرۃ کی مذکورہ بالا آیت ۱۸۰ کا تعلق ہے جو وصیت کو واجب قرار دیتی ہے، تو وہ ابتداے اسلام کے زمانے میں نازل ہوئی تھی جسے بعد ازاں سورۃ النساء کی آیاتِ میراث نے منسوخ کر دیا، تاہم غیر وارث کے حق میں وصیت کا مستحب ہونا باقی ہے۔[2]

اسی طرح ان فقہا کے بقول درج ذیل احادیث بھی وصیت کے وجوب کے منسوخ ہونے کی تائید کرتی ہیں:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا، حدیث ۲۷۳۸؛ صحیح مسلم، کتاب الھبات، باب کراھۃ تفضیل بعض الأولاد في الھبۃ، حدیث ۱۶۲۷

۲۔ الموسوعۃ الفقھیۃ ۴۳: ۲۲۴

Marfat.com

۱۔ إِنَّ اللهَ قَسَمَ لِكُلِّ وَارِثٍ نَصِيبَهُ مِنَ الْمِيرَاثِ، فَلَا تَجُوزُ لِوَارِثٍ وَصِيَّةٌ[۱]
(اللہ تعالیٰ نے ترکے میں ہر وارث کا حصہ تقسیم کر دیا ہے، لہٰذا اب وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں)۔

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ، عِنْدَ وَفَاتِكُمْ، بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ، زِيَادَةً لَكُمْ فِي أَعْمَالِكُمْ[۲]
(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نیک اعمال میں اضافہ کرنے کے لیے تم پر یہ احسان کیا کہ تمہیں موت کے وقت اپنے مال کے ایک تہائی کی وصیت کرنے کی اجازت دے دی)۔

امام ابن حزم آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ

جو شخص بغیر وصیت کیے فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے آسانی سے جتنی مقدار ممکن ہو، بطور وصیت دیا جانا لازمی ہے کیونکہ وصیت کا فریضہ ادا کرنا واجب ہے، اور جب ایسا ہے تو یہ ضروری ہوا کہ میت کے مال سے وصیت واجبہ کے حصے میں میت کی ملکیت (بعد الموت) کو ساقط تصور کیا جائے، لیکن اس مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ مقدار کا تقرر وصی یا وُرثا کی رائے کے مطابق کیا جائے گا، اور وہ اس حد تک ہو جس سے وُرثا پر ظلم لازم نہ آتا ہو۔ سلف کے ایک گروہ کی بھی یہی رائے ہے اور اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے بھی ایک حدیث مروی ہے۔ چنانچہ امام مالک ہشام بن عروہ کی سند سے، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک شخص نے

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب لا وصیۃ لوارث، حدیث ۲۷۱۲؛ سنن ترمذی، ابواب الوصایا، باب ما جاء لا وصیۃ لوارث، حدیث ۲۱۲۱

۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، حدیث ۲۷۰۹

Marfat.com

آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اگر وہ کچھ بول سکتیں تو صدقہ کرنے کا کہتیں، تو کیا میں ان کی جانب سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ چنانچہ اس شخص نے والدہ کی جانب سے صدقہ کر دیا۔"[۱] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس نے وصیت نہ کی ہو اس کی طرف سے صدقہ کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا حکم فرض ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرے والد فوت ہو گئے ہیں اور انہوں نے وصیت نہیں کی تو میں اگر ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا یہ ان کے (وصیت نہ کرنے کے گناہ کے) لیے کفارہ ہو گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہاں۔"[۲]

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ وصیت واجب ہے اور جس نے وصیت نہ کی ہو اس کی طرف سے صدقہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ کفارہ کا تعلق گناہ سے ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ جس نے وصیت نہ کی اس کی طرف سے کفارہ یعنی صدقہ کیا جائے۔[۳]

۲۔ مستحب

حنفی اور مالکی فقہا کی رائے میں مستحب وصیت کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، یعنی واجب الاداعبادات کے لیے جو وصیت کی جائے وہ مستحب ہے۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یستحب لمن یتوفی فجأة أن یتصدقوا عنه، حدیث ۱۳۸۸؛ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب وصول ثواب الصدقة عن المیت الیه، حدیث ۱۰۰۴

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب وصول ثواب الصدقات إلی المیت، حدیث ۱۶۳۰؛ سنن نسائی، کتاب الوصایا، باب فضل الصدقة عن المیت، حدیث ۳۶۴۹

۳۔ المحلی، کتاب الوصایا، ۱۷۵۲۔ مسألة مات ولم یوص ۸: ۳۵۲، ۳۵۳

Marfat.com

شافعی فقہا کے نزدیک مستحب وصیت وہ ہے جو تاکیدی مستحب ہے۔ یعنی وہ وصیت جو وصیت کی شرائط کو پورا کرتی ہو مگر واجب، حرام یا مکروہ نہ ہو۔

حنبلی فقہا کے نزدیک مستحب وصیت سے مراد ایسی وصیت ہے جو کسی ایسے محتاج قرابت دار کے حق میں کی جائے جسے ترکے میں سے حصہ نہ مل سکتا ہو۔ لیکن اس طرح کی وصیت میں دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: ایک یہ کہ وہ اس قدر مال چھوڑے جسے بالعموم زیادہ تصور کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وصیت مال متروکہ کے پانچویں حصے سے زیادہ کے بارے میں نہ ہو، تاکہ وُرثا کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر کوئی محتاج قرابت دار نہ ہو تو فقرا و مساکین اور اہل علم کے لیے ایسی وصیت مستحب ہو گی۔

۳۔ مباح

حنفی فقہا کا کہنا ہے کہ ایسی وصیت مباح ہو گی جو خوش حال رشتہ دار کے حق میں کی جائے۔ شافعی فقہا کے نزدیک صاحب ثروت شخص کے حق میں وصیت کرنا مباح ہے، چاہے وہ رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔ مالکی فقہ میں مباح وصیت وہ ہے جو کسی مباح امر کے لیے کی جائے۔ حنبلی فقہا کے نزدیک وصیت کی واجب، مستحب، مکروہ اور حرام اقسام کے علاوہ باقی تمام اقسام مباح ہیں۔

۴۔ مکروہ

حنفی فقہا کے ہاں مکروہ وصیت وہ ہے جو فساق و فجار اور گمراہ لوگوں کے لیے کی جائے۔ مالکی اور حنبلی فقہا کے نزدیک ایسے شخص کا وصیت کرنا بھی مکروہ ہے جس کے پاس مال کم ہو، اس کا وارث موجود ہو اور وصیت کرنے کی صورت میں وہ محتاج و نادار رہ جائے۔

۵۔ حرام

شافعی فقہا کہتے ہیں کہ کسی سرکش یا مفسد کے حق میں وصیت کرنا، کہ اگر اس کا کچھ بھی حق ترکہ میں رکھا گیا، تو وہ فساد پھیلائے گا حرام ہے۔ حنبلی فقہا کے نزدیک وہ وصیت

Marfat.com

حرام ہے جو وارث کے مال کے ایک تہائی حصے سے زیادہ کے بارے میں کی جائے۔ مالکی فقہا کے ہاں حرام وصیت وہ ہے جو کسی حرام کام کے لیے کی جائے۔ مثلاً میت پر نوحہ و ماتم کے لیے وصیت کرنا۔

وھبہ زحیلی نے حرام وصیت کی چند درج ذیل صورتیں ذکر کی ہیں:

مسلمان کی جانب سے کلیسا کی تعمیر و مرمت کی وصیت کرنا، تورات اور انجیل کے پڑھنے لکھنے کے متعلق وصیت کرنا، گمراہی، فلسفہ، جادو ٹونے اور دوسرے تمام حرام علوم کی کتابت و تعلیم کی وصیت کرنا، شراب کے متعلق یا مخرب اخلاق چیزوں پر خرچ کرنے کی وصیت کرنا، اجنبی شخص کے لیے مال متروکہ کے ایک تہائی حصے سے زائد کی وصیت کرنا، وغیرہ۔*

* الفقہ الإسلامي وأدلته ۸: ۵۴-۵۶

Marfat.com

وصیت واجبہ اور یتیم پوتے کی وراثت

وہ فقہا جو وصیت واجبہ کے قائل ہیں، ان کی رائے سے استفادہ کرتے ہوئے بعض مسلم ممالک، مثلاً مصر، تیونس، شام، عراق وغیرہ میں دادا کے ترکہ میں یتیم پوتے پوتیوں کے حق میں وصیت کو 'وصیتِ واجبہ' کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مصر میں جو قانون سازی کی گئی ہے، وہ درج ذیل ہے:

دفعہ ۷۶۔ جبکہ موصی نے اپنی حیات میں فوت شدہ اولاد کے لیے کوئی وصیت نہ کی ہو، یا موصی کی موت کے ساتھ اس کی اولاد میں سے کسی کی موت واقع ہو گئی ہو، خواہ یہ موت حکمی ہی کیوں نہ ہو، تو اس فوت شدہ اولاد کے اس حصے کے مثل، جو اگر وہ زندہ ہوتا تو اپنے مورث (باپ) سے اس کو ملتا، اس کی اولاد کے حق میں ایک تہائی کی حد تک وصیت واجب متصور ہو گی، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اولاد موجودہ صورت میں غیر وارث ہو، اور میت (موصی) نے اس کو بغیر عوض کسی دوسرے طریقے (تصرف) کے ذریعے اتنی مقدار، جس کا وہ وراثت کے ذریعہ مستحق ہوتا، نہ دی ہو۔ اگر دی ہو اور اس مذکورہ مقدار سے کم ہو تو محض اتنی مقدار کے حق میں وصیت واجب سمجھی جائے گی جو اس کی استحقاقی مقدار کو پورا کر دے۔ یہ وصیت بیٹی کی اولاد کے اول طبقے کے لیے اور بیٹوں کی صلبی اولاد کے تمام نیچے کے مسلسل طبقوں کے لیے نافذ ہو گی، اور ہر اصل اپنی فرع کا حاجب ہو سکے گا۔ دوسرے طبقہ کی فرع کا حاجب متصور نہ ہو گا اور ہر اصل کا حصہ اس کی فرع (اولاد) پر خواہ وہ کتنے ہی نیچے تک کا سلسلہ ہو، تقسیم کیا جائے گا۔ یہ تقسیم میراث کی اس تقسیم کے مطابق ہو گی جبکہ اصل موجود ہوتی اور اس کے فوت ہونے کے بعد ان وُرثا کو اس کے ترکہ سے حصص دے کر تقسیم کی جاتی، اور ان کی موت میں طبقات کی موت کی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے گا۔

دفعہ ۷۷۔ جبکہ میت نے کسی ایسے فرد کے لیے جس کے حق میں وصیت واجب نہ تھی، وصیت واجبہ کے حصے سے زیادہ کی وصیت کر دی ہو، تو اس میں زیادتی کے بقدر وصیت

Marfat.com

اختیاریہ کا حکم جاری ہو گا۔ لیکن اگر وصیت واجبہ کے حصے سے کم کی وصیت کی گئی ہو تو وصیت واجبہ کی مقدار کو مکمل کیا جائے گا۔

اگر وصیت واجبہ کے بعض مستحقین کے حق میں وصیت کی گئی ہو اور بعض کے حق میں نہ کی گئی ہو تو وہ لوگ جن کے حق میں وصیت کی گئی ہے، اپنے حصے کے بقدر مستحق ہوں گے اور جس کے حق میں وصیت نہیں کی گئی یا کم مقدار میں کی گئی ہے، ایک تہائی ترکہ کے بقایا سے ان کا حصہ لے لیا جائے گا، اگر یہ تہائی ان کے (قانونی) حقوق کی بجاآوری کے لیے کافی نہ ہو تو اس کے ساتھ وصیت اختیاریہ کا حصہ شامل کر لیا جائے گا۔

دفعہ ۷۸۔ ادائگی میں وصیت واجبہ دیگر وصیتوں پر مقدم ہو گی۔ اگر موصی نے ایسے لوگوں کے حق میں وصیت نہ کی ہو جن کو وصیت واجبہ کے ذریعے مستحق قرار دیا گیا تھا اور ان کے بر خلاف غیر افراد کے حق میں وصیت کی گئی ہو تو ہر صاحب وصیت واجبہ ترکے کی ایک تہائی کے بقایا سے اپنے حصے کا مستحق متصور ہو گا۔ اگر تہائی کی بقایا ان کے حقوق کے لیے ناکافی ہو تو اس مقدار سے جو دوسروں کی وصیت میں شامل ہے، ان کے حقوق کو پورا کیا جائے گا۔*

یہاں یہ بات واضح رہے کہ امام ابن حزم کے موقف کے مطابق وصیت واجبہ صرف پوتے پوتیوں تک میں محدود نہیں، جیسا کہ مصری قانون میں اسے انہی کے حق میں محدود کر دیا گیا ہے، بلکہ میت کے والد یا والدہ کی طرف سے دیگر غیر وارث اقربا اگر مستحق ہوں تو ان کے حق میں بھی ابن حزم کے قول کے مطابق وصیت کرنا واجب ہو گا، مثلاً اگر والدین غیر مسلم ہونے کی وجہ سے وراثت کے حق سے محروم ہو رہے ہوں تو وصیت کے ذریعے ان کے لیے تعاون کی گنجائش موجود سمجھی جائے گی۔

* ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام ۴: ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۵ بحوالہ: قانون الوصية المصري، مجریہ ۱۹۴۶ء، فصل ۶، دفعات ۷۶ تا ۷۹

Marfat.com

بیسویں صدی کے ربع اول تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا کہ دادا یا نانا کے انتقال پر اگر اس کی اولاد میں سے کوئی بیٹا یا بیٹی اس سے پہلے یا اس کے ساتھ انتقال کر جائے تو اس مرنے والے بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو ان کے دادا یا نانا کی وراثت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اس مسئلے میں نہ صرف اہل سنت کے مشہور فقہی مذاہب اور شیعہ امامیہ وزیدیہ اور ظاہریہ سب متفق ہیں، بلکہ جن مذاہب اور ائمہ وفقہا کے نقطہ ہائے نظر عرصے سے غیر معروف یا صرف اہل علم کی حد تک محدود ہیں، ان میں سے بھی کسی امام، فقیہ یا مجتہد کا کوئی قول اس کے خلاف منقول نہیں۔ لیکن دور حاضر میں متعدد اسلامی ممالک میں میت کی مرحوم اولاد کی اولاد کے سلسلے میں جدید قانون سازی کی گئی اور وصیت واجبہ کے ذریعے انہیں میت یعنی دادا نانا کے ترکے سے ایک معقول حصے کا مستحق قرار دیا گیا اور اس قانون سازی کی غرض وغایت یہ بیان کی گئی کہ بسا اوقات یہ اولاد اپنے چچوں کے مقابلے میں انتہائی فقر وفاقے میں مبتلا ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جب یہ میراث سے بھی محروم ہو جائے تو ناقابل بیان حد تک مشکلات کا شکار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسے حالات وواقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مصر اور بعض دیگر اسلامی ممالک میں قانون وصیت کے تحت "وصیت واجبہ" کے ذریعے پوتے پوتیوں کی امداد کے لیے قانون سازی کی گئی۔ *

پاکستان میں قانونی صورت حال

زیر بحث مسئلے میں پاکستان میں سب سے پہلے ۳ دسمبر ۱۹۵۳ء کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں ایک بل (مسودہ قانون) پیش کیا گیا کہ بیٹے کی موجودگی میں (یتیم) پوتے کو اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کو میراث کا حق دیا جائے۔ ملک گیر مخالفت کے سبب یہ بل منظور نہ ہو سکا۔ ۱۹۵۵ء میں حکومت پاکستان نے ایک عائلی قانون کمیشن قائم کیا۔ جبکہ مرکزی و

* مجموعہ قوانین اسلام ۴: ۱۲۷۲

Marfat.com

صوبائی مقننہ کو صدارتی فرمان مجریہ، ۱۹۵۸ء کے ذریعے توڑا جا چکا تھا، مارشل لا کے دور میں آرڈی نینس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ کے ذریعے پاکستان میں یہ قانون نافذ کر دیا گیا کہ "اگر کوئی شخص مر جائے اور اپنے پیچھے ایسے لڑکے یا لڑکی کی اولاد کو چھوڑے جو اس کی زندگی میں فوت ہو چکا ہو تو مرحوم کی اولاد اس حصے کو پانے کی مستحق ہو گی جو ان کے باپ یا ماں کو ملتا، اگر وہ اس شخص کی وفات کے وقت موجود ہوتے۔" چنانچہ اس طرح پاکستان میں دیگر اسلامی ممالک کے رائج الوقت قوانین میں "وصیت واجبہ" کے برخلاف پوتے پوتی اور نواسے نواسی کو اپنے باپ یا ماں (جیسی صورت ہو) کے قائم مقام کی حیثیت سے "وارث" قرار دے دیا گیا۔

اس قانون کے اسلام کے مطابق یا غیر مطابق ہونے کے سلسلے میں شروع ہی سے دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے تھے۔ ملک کی عظیم اکثریت، جن میں تقریباً ہر مکتب فکر کے علما شامل تھے، اس نقطہ نظر کی حامل تھی کہ یہ دفعہ شرع اسلام کے منافی ہے، جبکہ ایک قلیل تعداد طبقہ جو جدید تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل تھا، اس کو شرع اسلام کے مطابق قرار دیتا رہا۔* لہٰذا مذکورہ آرڈی نینس (نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ء) کے نفاذ کے وقت ہی سے مختلف مکاتب فکر کے علما نے اس کی ان دفعات میں ترامیم کا مطالبہ کیا جو قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہیں۔ چنانچہ صدر پاکستان کی ہدایت پر اسلامی نظریاتی کونسل نے اس قانون پر غور کیا اور اس کی بعض دفعات میں ترامیم تجویز کیں۔ زیر بحث دفعہ (۴) میں کونسل کی جانب سے جو ترمیم تجویز کی گئی وہ حسب ذیل ہے:

اگر مورث کی زندگی میں اس کا کوئی لڑکا یا لڑکی فوت ہو جائے جبکہ مورث کا کوئی اور بیٹا یا بیٹے مورث کی وفات کے وقت زندہ ہوں تو اس لڑکے یا لڑکی کی اولاد اپنے دادا یا نانا

* ایضاً: ۱۹۵۸، ۱۹۵۹

Marfat.com

کے ترکے میں اتنا حصہ پائے گی جتنے حصے کی وصیت ان کے نانا یا دادا نے ان کے حق میں کی ہو۔ بشرطیکہ وہ وصیت مجموعی طور پر میت کے ترکے سے ابتدائی واجبات ادا کرنے کے بعد کل ترکے کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔

البتہ اگر دادا یا نانا نے مذکورہ اولاد کے حق میں کوئی وصیت نہ کی ہو تو اس دادا یا نانا کے وُرثا پر لازم ہو گا کہ وہ مذکورہ اولاد کو اتنا نفقہ ادا کریں جتنا کہ عائلی عدالت متعلقہ امور پر غور کرنے کے بعد اسلامی شریعت کے مطابق ان کے لیے تجویز کرے۔[1]

مگر اسلامی نظریاتی کونسل کی تجویز پر سالہا سال تک کوئی عمل درآمد نہ ہو سکا اور بالآخر وفاقی شرعی عدالت نے اسی سلسلے کے ایک کیس کی سماعت کرتے ہوئے ۱۳ مارچ ۲۰۰۰ء کو یہ فیصلہ دیا:

بحث و تمحیص کے بعد عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مذکورہ آرڈیننس بابت ۱۹۶۱ء کی دفعہ نمبر ۴ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور صدر پاکستان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ایسے اقدامات کریں جن سے اس قانون میں تبدیلی کر کے اس سلسلہ میں ایسا قانون سامنے لایا جائے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو۔ نیز عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ ۴، جو اسلامی تعلیمات کے مخالف قرار پائی ہے، ۱۳ مارچ ۲۰۰۰ء سے کالعدم متصور ہو گی۔[2]

نیز فاضل عدالت نے یتیم پوتے پوتیوں کے معاشی مسائل کو، دیگر اسلامی ممالک کی طرح، وصیت واجبہ کے ذریعے حل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا:

۱۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سالانہ رپورٹ، بابت ۱۹۷۸۔ ۱۹۷۹، ص ۷۵

۲۔ The All Pakistan Legal Decisions, 2000 , 52:48

Marfat.com

۱۔ قرآنی تعلیمات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وہ یتیم پوتے پوتیاں جو اپنے دادا، نانا کی وراثت سے محروم ہیں، وصیت کے ذریعے انہیں بھی میت کے ترکے سے حصہ دیا جا سکتا ہے۔

۲۔ یتیم پوتے پوتیاں اپنے دادانانا کی وراثت سے بغیر کسی ملامت کے اسی طرح فیض یاب ہونے کے حق دار ہیں جس طرح ان کے چچا چچیاں اپنے باپ کے ترکے سے بطور وارث فیض یاب ہونے کے حق دار ہیں۔

۳۔ اس سلسلے میں یہ قانون سازی بھی کی جا سکتی ہے کہ اگر مرنے والے نے پوتے پوتیوں کے لیے وصیت نہیں کی، تو میت کے کل ترکے سے ایک تہائی مال کی حد تک بطور وصیت انہیں دلایا جائے گا اور اسے ان کے دادانانا کی طرف سے وصیت تصور کیا جائے گا، بشرطیکہ وہ تہائی مال اس مقدار سے زیادہ نہ ہو جو مقدار دادا، نانا کی مرحوم اولاد کو زندہ ہونے کی صورت میں بطور وراثت ملنی تھی۔ *

لیکن جیسا کہ میراث کے حصے میں بیان ہوا، وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف وفاق پاکستان کی طرف سے اپیل دائر کی گئی، جو تاحال سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں زیر سماعت ہے۔

* ایضاً

Marfat.com

Marfat.com

باب ۳

وصیت کے ارکان

وصیت کے ارکان کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے چند الفاظ اور اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنا ضروری ہے۔

- موصی (Testator): وصیت کرنے والا۔
- موصیٰ لہ (Legatee): وہ شخص یا کام جس کے لیے وصیت کی جائے۔
- موصیٰ بہ (Subject Matter): وہ مال جس کے بارے میں وصیت کی جائے۔
- موصیٰ الیہ (Administrator): جو شخص موصی کی وفات کے بعد اس کے قائم مقام کی حیثیت سے وصیت کے اجرا و تعمیل کے لیے مقرر ہو، اسے 'وصی' یا 'موصیٰ الیہ' کہا جاتا ہے۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ مختلف فقہی مسالک کی رو سے وصیت کے ارکان کون کون سے ہیں۔

حنفی فقہا کے ہاں وصیت کا صرف ایک رکن ہے۔ امام زفر کے مطابق یہ رکن موصی کی جانب سے ایجاب ہے (یعنی یہ کہنا کہ میں فلاں چیز کی وصیت کرتا ہوں)، جبکہ موصیٰ لہ کی جانب سے قبول کرنا وصیت کا رکن نہیں، بلکہ نفاذ کے لیے شرط ہے۔ یہی قول حنفی فقہا کے ہاں راجح مانا جاتا ہے۔ انہوں نے موصیٰ لہ کو وارث پر قیاس کیا ہے کہ دونوں کو ملکیت موت کے باعث منتقل ہوتی ہے اور وارث کی ملکیت قبولیت کی محتاج نہیں؛ لہٰذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ رائے اختیار کی گئی کہ موصیٰ لہ کی ملکیت بھی قبولیت کی محتاج نہیں۔

Marfat.com

کاسانی کہتے ہیں کہ حنفیہ کے تینوں ائمہ کے ہاں باقی تمام عقود کی طرح وصیت کے بھی دو ہی ارکان ہیں: "ایجاب اور قبول" چونکہ انسان بغیر سعی و قبول کے کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔ اگر وہ قبول نہ کرے گا تو اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، بخلاف میراث کے کہ اس میں ملکیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبراً ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں وصیت کے برعکس قبولیت کی شرط نہیں۔[۱]

بعض معاصر اہل علم نے امام زفر کی رائے کو قیاس مع الفارق قرار دیتے ہوئے اس دوسرے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔[۲]

قبول کی شرط یہ ہے کہ وہ موصی کی موت کے بعد ہی کارگر ہوتا ہے۔ اگر موصیٰ لہ موصی کی موت کے بعد قبول کرے تو موصیٰ بہ (وصیت کردہ مال) اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا، چاہے وہ اسے اپنی تحویل میں لے یا نہ لے۔ اگر موصیٰ لہ موصی کی موت کے بعد بلا قبول و رد مر جائے تو موصیٰ بہ اس کے وُرثا کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اگر وہ اپنی زندگی میں قبول یا رد کر چکا ہو تو وہ باطل قرار پائے گا۔[۳]

جمہور کے نزدیک وصیت کے ارکان چار ہیں:[۴]

۱۔ موصی (وصیت کرنے والا)
۲۔ موصیٰ لہ (جس کے لیے وصیت کی جائے)
۳۔ موصیٰ بہ (مال)
۴۔ صیغہ (ایجاب و قبول)

۱۔ بدائع الصنائع، دارالحدیث، قاہرہ ۲۰۰۵ء، ۱۰: ۵۰۲

۲۔ ذاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام ۴: ۱۲۳۳

۳۔ قدری پاشا، مرشد الحیرآن، دفعہ ۹۳؛ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۲۲-۲۳

۴۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۲۳

Marfat.com

وصیت کرنے کے طریقے

وصیت تین طریقوں سے منعقد ہو سکتی ہے:

ا۔بذریعہ زبانی الفاظ ۲۔بذریعہ تحریر ۳۔بذریعہ اشارہ

ا۔ بذریعہ زبانی الفاظ

فقہا کے مابین اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ وصیت صریح الفاظ سے منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً "میں فلاں کے لیے وصیت کرتا ہوں۔" اسی طرح لفظ غیر صریح سے بھی (جو قرینہ کے باعث وصیت سمجھا جا سکے) وصیت منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً "میری موت کے بعد فلاں کے لیے میرے مال میں سے اتنا حصہ ہو گا۔"[1]

۲۔ بذریعہ تحریر

تحریری وصیت کے معتبر ہونے میں فقہا کے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔[2] البتہ تحریری صورت میں وصیت ایسا شخص کرے جو بولنے کی سرے سے طاقت ہی نہ رکھتا ہو (گونگا ہو) یا اسے ایسا مرض لاحق ہو گیا ہو کہ بول نہ سکتا ہو اور یہ امید نہ ہو کہ وہ موت تک کبھی گفتگو کے قابل ہو سکے گا۔ تحریری وصیت اس شخص کے لیے بھی بعض صورتوں میں جائز ہے، جو بول سکتا ہو، اس بارے میں مختلف فقہی مذاہب کی آرا درج ذیل ہیں:

حنبلی فقہا کے ہاں تحریری وصیت اس صورت میں جائز ہو گی جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ تحریر موصی ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، یا اس پر کوئی ثبوت مل جائے جو یہ بات ثابت کرے کہ تحریر موصی ہی کی ہے۔

ا۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۲۴

۲۔ ایضاً، ص ۲۴، ۲۵

Marfat.com

حنفی اور مالکی فقہا کے نزدیک جب ایک شخص اپنے ہاتھ سے وصیت لکھ کر اس پر گواہ بنائے اور ان سے یہ کہے کہ جو کچھ اس تحریر میں لکھا گیا اس پر تم گواہ ہو تو یہ جائز ہو گا۔

شافعی فقہا تحریری وصیت درست ہونے کے لیے یہ بھی شرط عائد کرتے ہیں کہ موصی گواہوں کو اپنی وصیت سے مطلع کرے (جو اس نے تحریر کی ہے) پھر اس پر ان کو گواہ بنائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وصیت منعقد نہیں ہو گی۔

۳۔ بذریعہ اشارہ

اشارے کے ذریعے گونگے، اور مرض کے باعث بولنے سے عاجز شخص کی وصیت منعقد ہو جائے گی، لیکن صرف اس صورت میں جب وہ لکھنا نہ جانتا ہو اور اشارہ کا مفہوم و مطلب واضح ہو۔ اگر لکھنا جانتا ہو تو اسے تحریری وصیت کرنا ہو گی، کیونکہ وہ زیادہ واضح ہوتی ہے۔

موصیٰ لہ کے ردّ اور قبول کا مسئلہ

ا۔ موصیٰ لہ کو ردّ و قبول کا اختیار موصی کی موت کے بعد حاصل ہوتا ہے

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ عقدِ وصیت میں دوسرے عقود (contracts) کی نسبت یہ فرق ہے کہ اس میں ملکیت موصی کی موت کے بعد ثابت ہوتی ہے، زندگی میں نہیں۔ اس لیے موصیٰ لہ کی جانب سے وہ 'قبول' قابل اعتبار ہو گا جو موصی کی موت کے بعد ہو۔ اور اگر "قبول" موصی کی زندگی میں کیا گیا ہو تو اس "قبول" کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس وقت تو موصیٰ لہ کا حق ابھی ثابت ہی نہیں ہوا تھا۔ اسی لیے جمہور فقہا کے نزدیک اگر موصیٰ لہ موصی کی زندگی میں اس کی وصیت کو قبول کرنے سے انکار کر دے تو اس کے انکار کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ موصی کی موت کے بعد موصیٰ لہ کا یہ حق باقی تسلیم کیا

Marfat.com

جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ وہ اپنے حق میں کی گئی وصیت کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ قبول نہ کرے تو پھر اس کا انکار معتبر تسلیم کیا جائے گا۔[۱]

۲۔ ردّ و قبول میں تاخیر بھی کی جاسکتی ہے

اسی طرح فقہا کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ موصی کی موت کے بعد یہ ضروری نہیں کہ موصیٰ لہ فوری طور پر وصیت کے قبول یا رد کرنے کا فیصلہ دے، بلکہ اسے اس سلسلے میں مہلت حاصل ہوگی خواہ اس کی مدت طویل ہو جائے؛ کیونکہ عقدِ وصیت عام عقود سے مختلف ہے۔ البتہ شافعی اور حنبلی فقہ میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ اگر موصیٰ لہ موصی کی موت کے بعد وصیت کو نہ قبول کرے اور نہ ہی ردّ کرے تو ورثا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ موصیٰ لہ سے اس کا مطالبہ کریں کہ وہ وصیت کو یا قبول کرے یا اسے ردّ کرے ورنہ اس پر ردّ کا حکم لگایا جائے گا اور وصیت کو باطل قرار دے دیا جائے گا۔[۲]

وصیت کے ردّ و قبول میں کتنی تاخیر جائز ہے؟ اس سلسلے میں بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ عدالت کی صواب دید پر منحصر ہوگا۔[۳]

۳۔ موصیٰ لہ کا قبول کرنے کے بعد رجوع

موصیٰ لہ وصیت کو قبول کرنے کے بعد اسے رد کر دے تو اس کا یہ رد کرنا معتبر ہوگا؟ فقہا کے ہاں اس سلسلے میں درج ذیل تین آرا پائی جاتی ہیں:

ا۔ جمہور فقہا کی رائے یہ ہے کہ اگر موصیٰ لہ نے وصیت کو موصی کی موت کے بعد قبول کر لیا تو پھر اس قبول کے بعد وہ اس سے رجوع کا حق نہیں رکھتا، خواہ موصیٰ بہ اس کے قبضہ میں آگئی ہو یا نہ آئی ہو بلکہ قبول کے بعد وصیت صحیح اور قابلِ نفاذ ہو جاتی ہے۔[۱]

۱۔ ابن عابدین، ردّ المحتار ۵: ۴۲۱؛ خطیب، شربینی، مغني المحتاج ۳: ۵۳

۲۔ مغني المحتاج ۵: ۵۳؛ بہوتی، کشاف القناع ۴: ۳۴۴

۳۔ مجموعہ قوانین اسلام ۴: ۱۲۳۰

Marfat.com

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ موصیٰ لہ اگر موصیٰ بہ کو قبضہ میں لینے کے بعد رد کرے تو پھر اس کے رد کا اعتبار ہو گا، ورنہ نہیں۔ یہ رائے بعض شافعی اور حنبلی فقہا کی ہے۔[۲]

۳۔ تیسری رائے بعض حنبلی فقہا کی ہے کہ موصیٰ بہ اگر ناپی تولی جانے والی اشیا ہیں، تو ان کی بابت کی گئی وصیت کو قبول کرنے اور ان اشیا کو قبضہ میں لینے سے پہلے رد کا اختیار ہے۔[۳]

۴۔ رد یا قبول کا اختیار کس قسم کے موصیٰ لہ کو حاصل ہو گا؟

اگر موصیٰ لہ متعین فرد ہو اور مکمل اہلیت رکھتا ہو تو چونکہ وہ اپنی ذات کا خود ولی ہے، اس لیے صرف اسی کا رد یا قبول معتبر ہو گا۔ اگر موصیٰ لہ غیر متعین ہوں یا کوئی جماعت ہو جیسے فقرا، مساکین وغیرہ اس صورت میں کی گئی وصیت موصی کی جانب سے نافذ ہو جاتی ہے اور انکار یا قبول کا اس میں چونکہ کسی کو اختیار نہیں ہوتا اس لیے انکار یا قبول کا کوئی اعتبار نہیں۔[۴]

اگر موصیٰ لہ "مجور" ہو (یعنی وہ شخص جسے کسی وجہ سے اپنے مال میں تصرف سے روکا گیا) ہو تو پھر اس کا ولی چونکہ اس کے امور کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس لیے ولی کا قبول یا رد معتبر ہو گا، بشرطے کہ ولی کا فیصلہ 'مجور' کے مفاد میں کیا گیا ہو۔ اور اگر ولی نے اس کے مفاد کا لحاظ نہ کیا تو حاکم یا عدالت کو اس میں مداخلت کا حق حاصل ہو گا۔[۵]

۱۔ الشرح الصغیر ۴: ۵۸۳؛ حاشیة الدسوقی ۴: ۴۲۴؛ رملی، نهاية المحتاج ٦: ٦٦؛ مرداوی، الإنصاف ۷: ۱۰۵

۲۔ الإنصاف ۷: ۱۰۵؛ مغني المحتاج ۳: ۵۳

۳۔ الإنصاف ۷: ۱۰۵

۴۔ رد المحتار ۵: ۴۱۶؛ کشاف القناع ۴: ۴۴

۵۔ مصطفی سیوطی، مطالب اولی النہیٰ ۴: ۴۵۹؛ مغني المحتاج ۳: ۵۳

Marfat.com

۵۔ موصیٰ لہ کی موت کے موصیٰ بہ کے ردو قبول پر اثرات

موصیٰ لہ اگر متعین شخص ہو تو اس صورت میں زیر بحث مسئلہ کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ موصیٰ لہ موصی کی موت سے پہلے یا اس کے ساتھ ہی فوت ہو جائے تو فقہا کا اتفاق ہے کہ اس صورت میں اس کے حق میں کی گئی وصیت باطل قرار پائے گی۔

۲۔ اگر موصیٰ لہ موصی کی موت کے بعد فوت ہو اور اس نے وصیت کو قبول کیا ہو نہ رد، تو اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ حنفی فقہا کے نزدیک از روے استحسان یہ وصیت قابل نفاذ قرار پائے گی۔[۱] جمہور فقہا کی رائے میں ایسی وصیت موصیٰ لہ کے وُرثا پر موقوف ہو گی اور انہیں اس کے رد یا قبول کا اختیار حاصل ہو جائے گا؛ کیونکہ موصیٰ لہ کے حقوق اس کی موت کے بعد اس کے وُرثا کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ جمہور فقہا نے اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ[۲] (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے (مرتے وقت) کچھ مال چھوڑا تو وہ اس کے وُرثا کا حق ہے)۔

۱۔ رد المحتار ۵: ۴۲۱

۲۔ صحیح بخاری، كتاب في الاستقراض وأداء الديون، باب الصلاة على من ترک دينا، حديث ۲۳۹۸

Marfat.com

Marfat.com

باب ۴

وصیت کے شرائط

وصیت کے کچھ شرائط ایسے ہیں جن پر وصیت کے وجود پذیر ہونے کا دارومدار ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کا وصیت کے نفاذ کے لیے موجود ہونا ضروری ہے۔ یہ شرائط یا تو موصی میں ہوتے ہیں یا موصیٰ لہ میں یا موصیٰ بہ میں۔ یہاں ان تمام شرائط کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

موصی (Testator) کے شرائط*

موصی کے لیے ضروری ہے کہ وہ تملیک کا اہل ہو، یعنی خود مالکانہ حقوق رکھتا ہو، اور دوسرے کو مالکانہ حقوق دے سکتا ہو اور وہ ایسا شخص ہو سکتا ہے جو عاقل، بالغ اور آزاد ہو، چاہے مرد ہو یا عورت اور چاہے مسلمان ہو یا کافر۔

وہ شرائط جن کا موصی میں پایا جانا ضروری ہے، درج ذیل ہیں:

ا۔ عقل و شعور

تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ وصیت کرنے والا عقل و شعور رکھتا ہو، لہٰذا مجنون (پاگل) حالتِ جنون میں وصیت نہیں کر سکتا اور ایسی وصیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، جو حالت جنون میں کی گئی ہو۔ اسی طرح نشے کی حالت میں وصیت کرنا بھی درست نہیں۔ البتہ مجور (وہ شخص جسے قانونی طور پر اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہو) کی وصیت بالاتفاق معتبر ہو گی، کیونکہ مجور پر پابندی لگانے کا مقصد اسے زندگی میں اپنے مال کو ضائع کرنے سے باز رکھنا ہے اور وصیت کی صورت میں اس کا مال اس کی زندگی میں اس کے پاس ہی رہتا ہے۔

---

* الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۸: ۳۳ ومابعد

Marfat.com

۲۔ بلوغ

حنفی اور شافعی فقہا کے نزدیک بالغ ہونا وصیت کی شرائط میں سے ہے۔ لہٰذا ان کے ہاں بچے کا وصیت کرنا درست نہیں، نہ ہی اس کی وصیت کا کوئی اعتبار ہے۔ چاہے بچہ عقل مند ہو یا نہ ہو، چاہے وہ تجارت کر سکتا ہو یا نہ کر سکتا ہو۔

مالکی اور حنبلی فقہا باشعور بچے کی وصیت کو درست مانتے ہیں بشرطیکہ بچہ دس سال کی عمر کو پہنچ چکا ہو، کیونکہ اس کا اسلام لانا بھی معتبر اور اس کی نماز بھی درست اور قابل قبول ہوتی ہے۔ حنفی فقہا ایسے بچوں کی اس وصیت کو درست قرار دیتے ہیں، جو وہ اپنے تجہیز و کفن وغیرہ کے بارے میں کریں۔ یہ حکم حضرت عمر کی اس روایت سے ماخوذ ہے جس میں آپ نے کم سن بچے کو وصیت کرنے کی اجازت دی تھی۔

۳۔ آزاد ہونا

فقہا کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ صرف آزاد شخص ہی وصیت کر سکتا ہے۔ غلام یا مملوک کا وصیت کرنا معتبر نہیں ہے۔ اس لیے کہ غلام خود کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ وہ خود اور اس کی ہر چیز اس کے مالک کی ملک ہے۔ جبکہ وصیت تو نام ہی اس کا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو اپنی ملک کا بلا معاوضہ مالک بنائے۔

۴۔ وصیت کرنے والے کا مالِ وصیت کا مالک ہونا

وصیت درست ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان جس چیز کے بارے میں وصیت کرے وہ اس کی اپنی ملک ہو، اس لیے کہ انسان خود جس چیز کا مالک نہ ہو، دوسرے کو اس کا مالک نہیں بنا سکتا۔

۵۔ موصی کا راضی اور اپنی بات میں سنجیدہ ہونا

ضروری ہے کہ وصیت کرنے والا اپنی آزاد مرضی اور رضا و رغبت اور خوشی سے وصیت کرے۔ وصیت کرتے وقت وہ بالکل سنجیدہ ہو، مذاق نہ کر رہا ہو۔ اگر کسی کو وصیت

Marfat.com

کرنے پر مجبور کیا گیا ہو یا دھوکہ اور فریب سے یا اسے مجبور کر کے کسی خاص چیز کی بابت کسی خاص شخص وغیرہ کے حق میں اس سے وصیت لی گئی ہو تو ایسی وصیت درست نہ ہوگی۔

۶۔ موصی پر اتنا قرض نہ ہونا جو اس کے مال کے ایک تہائی سے زائد ہو

یہ شرط وصیت کے نفاذ سے تعلق رکھتی ہے، چنانچہ وصیت کو روبعمل لانے کے لیے ضروری ہے کہ موصی پر اتنا قرض نہ ہو جو اس کے تمام مال سے زائد ہو اور اس کا سارا ترکہ قرض کی نذر ہو جائے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ قرض کی ادائگی وصیت پر مقدم ہے اور اس بات پر تمام امت کا اجماع بھی ہے۔ جہاں تک سورۃ النساء کی ۱۱ اور ۱۲ نمبر آیات کا تعلق ہے جن میں وصیت کا ذکر قرض سے پہلے آیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء۴: ۱۱] (اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو میت کی ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی (یہ حصہ اس وقت نکالا جائے گا) جب کہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو، ادا کر دیا جائے)۔

حضرت علیؓ سے مروی درج ذیل روایت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ* (حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ قرض کی ادائگی وصیت (کے نفاذ) سے پہلے کی جائے گی)۔

تاہم اگر ایسی کوئی صورت پیش آجائے تو پھر وصیت کو ان لوگوں کی مرضی پر موقوف سمجھا جائے گا جن سے موصی نے قرض لے رکھا تھا، اگر وہ لوگ اپنا حق چھوڑنے پر تیار ہو

* سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الدین قبل الوصیۃ، حدیث ۲۷۱۵

Marfat.com

جائیں تو وصیت قابل نفاذ ہو گی، ورنہ وصیت باطل قرار پائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرض کی ادائگی کو وصیت پر مقدم قرار دیا ہے۔[۱]

مذکورہ تفصیل سے یہ شبہہ نہ ہو کہ مقروض وصیت نہیں کر سکتا۔ فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مقروض وصیت کر سکتا ہے، اگرچہ وصیت کے وقت قرض اس کے تمام مال (ترکہ) کے برابر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک اس کے قرض کی ادائگی کی کوئی صورت نکل آئے۔

اگر موصی کا قرض اس کے تمام ترکہ کے برابر ہو تو اس صورت میں اس کی وصیت کا نفاذ قرض کی ادائگی پر موقوف ہو گا، چاہے یہ ادائیگی مکمل قرض کی ہو یا کچھ کی، اور چاہے اس کا سبب قرض خواہوں کا قرض معاف کرنا ہو یا کوئی اور شخص اپنی خوشی سے قرض دار کا قرض ادا کرے۔ اور اگر اس کا قرض کم ہو تو قرض کی ادائگی پہلے کی جائے گی اور باقی مال سے وصیت کا نفاذ عمل میں لایا جائے گا۔[۲]

مختلف لوگوں کی وصیت کی شرعی حیثیت

ذیل میں مقروض، غیر مسلم، ذمی، حربی کافر اور مرتد کی وصیتوں کی حیثیت اور حکم کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

الف۔ قرض دار کی وصیت

مقروض کی وصیت درست ہو گی۔ اگرچہ قرض اس کے تمام مال کے برابر ہو، کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے۔

۱۔ بدائع الصنائع ۱۰: ۵۱۱

۲۔ الفقہ الإسلامی وأدلته ۸: ۶۲

Marfat.com

اگر قرض تمام ترکہ کے برابر ہو، تو اس صورت میں وصیت کا نفاذ موصی کے قرض سے بری ہونے پر موقوف رہے گا۔ یہ براءت یا تو مکمل قرض سے ہو یا اس کے کچھ حصے سے۔ چاہے براءت کی وجہ قرض خواہوں کا قرض معاف کرنا ہو یا کوئی اور شخص اپنی خوشی سے مقروض کا قرض ادا کر دے۔

جب قرض دار مکمل طور پر بری ہو جائے تو وصیت مکمل مال کے ایک تہائی میں سے نافذ ہو گی، لیکن اگر قرض کے کچھ حصے سے بری ہو گیا اور کچھ سے نہ ہوا تو وصیت اس مال کے ایک تہائی میں نافذ ہو گی جس سے بری ہو گیا ہے۔

اگر قرض تمام ترکہ کے برابر نہ ہو بلکہ کم ہو، تو اس صورت میں وصیت کسی کی اجازت پر موقوف نہ ہو گی، بلکہ اس ایک تہائی مال سے ادا کی جائے گی جس پر قرض نہیں۔ *

ب۔ غیر مسلم کی وصیت

یہاں غیر مسلم میں ذمی، حربی اور مرتد سب شامل ہیں۔

وصیت چاہے مسلمان کرے یا غیر مسلم، دونوں کی طرف سے جائز اور صحیح ہو گی؛ کیونکہ یہ نیکی کا کام ہے اور تمام مذاہب و ادیان اس کی اجازت دیتے ہیں۔ لہٰذا ذمی کی مسلمان اور ذمی دونوں کے لیے، اور مسلمان کی مسلمان اور ذمی دونوں کے لیے وصیت درست ہے، اس لیے کہ وصیت کے درست ہونے کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

ا۔ ذمی کی وصیت

فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ ذمی کے لیے وصیت کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ تملیک کا اہل ہوتا ہے، اور اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ ذمی کی وصیت بھی

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۲۲ (بحوالہ عیسوی، الوصیة، ص ۶۳)

Marfat.com

مسلمان کی طرح ترکہ کے ایک تہائی کے اندر اندر جائز ہوگی اور نافذ کی جائے گی، لیکن اگر ایک تہائی سے زائد ہو تو نافذ نہ ہوگی۔

ذمی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے جیسے ذمی کے لیے، مسلمان کے لیے یا اس شخص (مستأمن) کے لیے وصیت کرے جو امان لے کر دار الاسلام میں داخل ہوا ہو مگر اس کا مستقل رہائشی نہ ہو۔ حنفی فقہا کے نزدیک ذمی یا مسلمان ایسے حربی کے لیے وصیت نہیں کر سکتا جو دار الحرب میں ہو۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک وہ اس کام کے لیے وصیت کر سکتا ہے جو اس کے مذہب میں نیکی کا کام مانا جاتا ہے، یا ہر اس کام کے لیے بھی جس کے نیک کام ہونے پر اسلام اور اس کا دین متفق ہوں؛ لیکن ان کاموں کے لیے وصیت نہیں کر سکتا جو دونوں شریعتوں میں حرام ہوں۔

۲۔ حربی کافر کی وصیت

حربی کا وصیت کرنا بھی درست ہے اور حربی کے حق میں وصیت کرنا بھی۔ لیکن اگر وہ دارالحرب میں ہو تو شافعی اور حنبلی فقہا کے ہاں اس حال میں بھی اس کے حق میں وصیت کرنا درست ہے، جبکہ حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر دارالحرب میں ہو تو درست نہ ہوگی، البتہ اگر وہ امان لے کر کچھ وقت کے لیے دارالاسلام میں مقیم ہو تو درست ہوگی۔ مالکی فقہا کا موقف ہے کہ حربی کے حق میں وصیت کسی صورت درست نہیں۔*

* الدر المختار ورد المحتار ۱۰: ۳۳۴، ۳۳۵؛ بدائع الصنائع ۷: ۱۳۶؛ تبيين الحقائق ۶: ۱۸۴؛ الشرح الصغير ۴: ۵۸۱؛ مغني المحتاج ۳: ۴۳؛ المغني ۶: ۱۰۴؛ كشاف القناع ۴: ۳۹۰؛ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۶۲- ۶۴

Marfat.com

۳۔ مرتد کی وصیت

مرتد ایسا شخص ہے جو دین اسلام سے پھر جائے، چاہے کوئی اور دین اختیار کر لیا ہو یا سرے سے ملحد اور لادین ہو گیا ہو۔ ایسے شخص کو توبہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ حنفی فقہا کے ہاں مرتد مرد کو تو قتل کیا جائے گا جبکہ عورت کو نہیں۔

شافعی، مالکی اور حنبلی فقہا کے نزدیک مرتد کی وہ وصیت درست مانی جائے گی جو کسی حرام کام کے لیے نہ ہو، مثلاً کسی مسلمان کا شراب اور خنزیر سے فائدہ اٹھانا؛ لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی وصیت موقوف رہے گی، چنانچہ اگر وہ اسلام کی طرف پلٹ آیا تو درست ہو گی اور اس کا نفاذ بھی ہو گا، ورنہ باطل ہو جائے گی۔

حنفی فقہا مرتد مرد و عورت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ مرد کے بارے میں ان کی رائے جمہور کے مطابق ہے، جبکہ مرتد عورت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی وصیت درست ہو گی اور اس کا نفاذ بھی ہو گا، کیونکہ حنفیہ کے ہاں مرتد عورت کو بطور حد قتل نہیں کیا جاتا۔

موصیٰ لہ (Legatee) کے شرائط

وہ شرائط جن کا موصیٰ لہ میں پایا جانا ضروری ہے، درج ذیل ہیں:*

ا۔ موصیٰ لہ خود معصیت یا اس سے معصیت کی وصیت نہ کی ہو

اگر موصی مسلمان ہے تو وصیت کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ موصیٰ لہ کوئی بذات خود معصیت یا معصیت یعنی کسی گناہ کی وصیت نہ کی گئی ہو، ورنہ وصیت باطل قرار پائے گی۔ مثلاً شراب اور رقص و سرور کی محفلیں منعقد کرنے کی وصیت، میت پر نوحہ کرنے

* الفقه الإسلامي وأدلته ٨: ٣٦ وما بعد

Marfat.com

کی وصیت، کلیسا کی تعمیر و مرمت وغیرہ کی وصیت۔ قبر پر گنبد یا مزار تعمیر کرنا بھی شرعی طور پر محل نظر ہے، اس لیے فقہا نے ایسی وصیت کو بھی اس زمرے میں شامل کیا ہے۔

۲۔ موصیٰ لہ کا موجود ہونا

ضروری ہے کہ موصی لہ وصیت کے وقت موجود ہو یا وجود میں آنے والا ہو؛ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو معدوم شے کے لیے وصیت کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ وصیت "تملیک" ہے؛ اور تملیک معدوم شخص یا چیز کی صورت میں ناممکن ہے۔ لہٰذا جمہور فقہا کے ہاں مردہ کے لیے وصیت نہیں کی جا سکتی۔ البتہ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر موصی کو اس بات کا علم ہو کہ موصیٰ لہ کی وفات ہو چکی ہے تو ایسی وصیت جائز ہو گی اور تملیک کے اہل میت کے وُرثا ہوں گے، جبکہ اس کا قرض ادا کیا اور اس کی وصیت پوری کی جا چکی ہے۔

- **حمل کے بارے میں وصیت اور حمل کے لیے وصیت**

حمل سے متعلق وصیت دو قسم کی ہو سکتی ہے: یا تو وہ حمل کے بارے میں کی جائے گی یا حمل کے لیے کی جائے گی؛ یعنی حمل یا تو موصیٰ بہ ہو گا یا پھر موصیٰ لہ۔

۔ حمل کی وصیت (بطور موصیٰ بہ)

اگر یہ حمل موصی کی ملکیت ہو تو وصیت صحیح ہو گی، یعنی کہ یہ حمل موصی کے کسی جانور مثلاً گائے، گھوڑے، بکرے وغیرہ کا ہو، جس کا وہ مالک ہے۔ اگر یہ زندہ وجود میں آیا اور اس کا وصیت کے وقت موجود ہونا معلوم ہو گیا ہو تو وصیت درست ہو گی، اور اگر ایسا نہیں ہے تو وصیت درست نہ ہو گی۔ اگر یہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ *

* ایضاً، ص ۳۸، ۳۹

Marfat.com

- حمل کے لیے وصیت (بطور موصیٰ لہ)

حمل کے لیے وصیت بھی بالاتفاق درست ہوگی۔ اس لیے کہ وصیت میراث کی طرح ہے اور حمل (بچہ) میراث پانے کا اہل ہے، لہٰذا وہ وصیت (موصیٰ بہ) پانے کا بھی حق دار ہے، بشرطیکہ ماں اس بچے کو (وصیت کے وقت سے شمار کرتے ہوئے) چھ ماہ کے اندر اندر زندہ جنم دے، جو حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وقت موصی کی موت کے وقت سے شمار کیا جائے گا، نہ کہ وصیت کے وقت سے۔ لیکن اگر مردہ پیدا ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ مردہ پیدا ہونے والا بچہ میراث کا حق دار نہیں ہوتا۔[۱]

مالکی فقہا کی رائے اس شرط کے بارے میں مختلف ہے۔ ان کے ہاں معدوم کے لیے وصیت کرنا بھی جائز ہے۔ ان کے ہاں اُس کے لیے وصیت کرنا بھی جائز ہے جو بعد میں وجود میں آنے والا ہو، چاہے وہ وصیت کے وقت موجود ہو یا موصی کی موت تک ابھی وجود میں نہ آیا ہو۔ مگر راجح رائے جمہور ہی کی ہے، کیونکہ معدوم کو تملیک کا اہل قرار دینا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ دوسرے یہ کہ ایسی صورت میں طویل عرصہ تک مال روک کر رکھنا پڑے گا، صرف اس کے انتظار میں جسے مستقبل میں وجود پذیر ہونا ہے۔[۲]

۳۔ موصیٰ لہ کا معلوم ہونا

موصیٰ لہ کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ وہ معلوم یا متعین شخص یا چیز ہو۔ اس لیے کہ موصیٰ لہ سے لاعلمی موصیٰ بہ کو اس کے سپرد کرنے میں مانع ہوگی۔ چونکہ وصیت موت کے بعد نافذ ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس وقت موصیٰ لہ معلوم و متعین ہو، تاکہ اس کے لیے ملکیت ثابت ہو سکے اور موصیٰ بہ اس کے سپرد کیا جا سکے۔ مثلاً اگر موصی یہ کہے کہ فلاں

۱۔ ایضاً، ص ۳۸، ۳۹

۲۔ ایضاً، ص ۳۸، ۳۹

Marfat.com

دو آدمیوں میں سے ایک کے لیے اتنے مال کی وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت نافذ نہ ہو سکے گی۔ اس لیے کہ موصی کی مراد واضح نہیں ہے کہ وہ دو میں سے مال کس کو دینا چاہتا ہے۔

البتہ اگر یہ کہے کہ میرا اتنا مال مسلمان فقرا و مساکین یا ناداروں کے لیے ہے تو یہ درست ہو گا۔ اس لیے کہ یہ اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا ہے۔ یعنی موصیٰ بہ اللہ کے لیے ہو جائے گا، اور اللہ نے غربا و مساکین کو اس کا مالک بنا دیا ہے۔

۴۔ موصیٰ لہ تملیک کا اہل ہو

تملیک کا اہل کون ہوتا ہے؟ یہ موصِی کے شرائط میں گزر چکا ہے۔ موصیٰ لہ کے لیے یہ شرط باتفاق علما ثابت ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی جانور کے لیے کچھ مال کی وصیت کرے، تو حنفی، شافعی اور مالکی فقہا کے ہاں ایسی وصیت باطل ہو گی۔ اس لیے کہ وصیت کا لفظ تملیک کے لیے ہوتا ہے اور جانور وغیرہ کو کسی چیز کا مالک نہیں بنایا جا سکتا؛ لیکن حنفی فقہا کی رائے کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میں فلاں جانور کے لیے اتنے مال کی وصیت کرتا ہوں تو یہ درست ہو گا۔ ایسی صورت میں ان کے ہاں قبولیت کی شرط ختم ہو جائے گی، اس لیے کہ جانور قبول نہیں کر سکتا، لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ یہ وصیت اس جانور کے چارے وغیرہ کے لیے ہے، تو ایسی وصیت درست ہو گی۔ اس صورت میں حنفی اور حنبلی فقہا کے نزدیک قبولیت کی شرط ساقط ہو جائے گی، البتہ شافعی فقہا کے نزدیک قبول کی یہ شرط جانور کے مالک کو پوری کرنی ہو گی۔*

۵۔ موصیٰ لہ وصیت کنندہ کا قاتل نہ ہو

اس بارے میں فقہا کے ہاں مختلف آرا پائی جاتی ہیں:

---

* الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۸: ۴۲

Marfat.com

۱۔ اگر موصیٰ لہ وصیت کرنے والے کو قتل کر دے تو وہ وصیت کردہ مال (موصیٰ بہ) کا ہرگز حق دار نہیں ہوگا، چاہے قتل جان بوجھ کر کیا گیا ہو یا غلطی سے ایسا ہو گیا ہو۔ یہ حنفی فقہا کی رائے ہے۔ حنبلی اور شافعی فقہا کے ہاں بھی ایک قول ایسا ہی نقل ہوا ہے۔

حنفی فقہا نبی اکرم ﷺ کی حدیث: لیس لقاتل میراث[۱] (قاتل کے لیے وراثت نہیں) کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ جس طرح وارث بننے والا اپنے مورّث کو قتل کرنے کی صورت میں وراثت سے محروم ہو جاتا ہے اسی طرح موصیٰ لہ نے اگر موصی کو قتل کر دیا تو وہ وصیت کا حق دار نہیں رہے گا۔

چونکہ وصیت کا نفاذ موصی کی موت کے بعد ہوتا ہے، اس لیے ایسے قتل سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ موصیٰ لہ نے مال وصیت جلد حاصل کرنے کی خاطر یہ قتل کیا ہے۔ ایسی صورت میں اس پر یہ فقہی قاعدہ لاگو ہوگا: من استعجل شیئا قبل أوانه عوقب بحرمانه[۲] (جو کسی چیز کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے لینے کی جلدی کرے گا، اسے سزا کے طور پر اس سے محروم رکھا جائے گا)۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ قاتل وصیت میں اپنے استحقاق سے محروم نہیں ہوتا، چاہے وہ وصیت سے پہلے قتل کرے یا بعد میں۔ یہ شافعی فقہا کی رائے ہے۔ اس کے لیے ان کے ہاں جو استدلال پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ وصیت کسی دوسرے کو اپنے مال کا مالک بنانا ہے اور اس میں قبول کی ضرورت رہتی ہے، لہٰذا یہ ہبہ اور عقد بیع کی طرح ہے۔ جس طرح یہ دونوں عمل قتل کے باعث باطل نہیں ہوتے، اسی طرح وصیت بھی باطل نہیں ہوگی۔

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب القاتل لا یرث، حدیث ۲۶۴۶

۲۔ ابن سبکی، الأشباہ والنظائر ۱: ۱۶۸؛ ابن نجیم، الأشباہ والنظائر ۱۵۸

Marfat.com

۳۔ تیسری رائے اکثر مالکی فقہا کی ہے۔ ان کے ہاں قتل کی دو صورتوں کے احکام مختلف ہیں۔ اگر قتل وصیت کے بعد کیا گیا اور موصی اقدام قتل کے بعد کچھ دیر زندہ رہا، مگر اس کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ قتل کس نے کیا، اور اس نے وصیت میں تبدیلی بھی نہ کی تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

اگر موصی کو مرنے سے پہلے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس پر حملہ کرنے والا موصیٰ لہ ہے، پھر اس نے نہ تو وصیت میں تبدیلی کی نہ اس سے رجوع کیا، تو وصیت درست قرار پائے گی۔

ان تمام آرا میں سے راجح رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ قاتل کو سزا کے طور پر وصیت سے محروم کر دیا جائے اس لیے کہ قاتل میراث سے بھی حصہ نہیں لے سکتا اور وصیت میراث ہی کی طرح ہے۔[1]

۶۔ موصیٰ لہ، موصی کا وارث نہ ہو

جمہور فقہا کے نزدیک یہ شرط وصیت کے نفاذ سے تعلق رکھتی ہے نہ اس کے انعقاد سے۔ اس شرط کے بارے میں بھی فقہا کے ہاں تین آرا پائی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

ا۔ پہلی رائے یہ ہے کہ وصیت وارث کے لیے کسی بھی صورت میں جائز نہ ہو گی، چاہے باقی ورثا اس کی اجازت دے دیں۔ یہ رائے داؤد ظاہری، امام مالک اور بعض حنبلی فقہا کی ہے۔ یہ حضرات اپنے موقف کے حق میں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث[2] (اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے تو اب وارث کے لیے وصیت نہیں ہے)۔

۱۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۴۳، ۴۴

۲۔ سنن ابن ماجہ، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، حدیث ۲۷۱۳

Marfat.com

ان کا استدلال یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیث صریح طور پر وارث کے لیے وصیت کا ناجائز ہونا بتلاتی ہے، اس لیے کہ ہر وارث کے لیے ترکے میں واضح طور پر حصہ متعین کر دیا گیا ہے۔

داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے چونکہ وارث کو وصیت میں حق دار بنانے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا وُرثا کے لیے یہ جائز نہیں کہ ایسی چیز کو جائز قرار دیں جو اللہ تعالی نے ناجائز ٹھہرائی ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔ جب وصیت کی جائے تو وہ صحیح ہو گی، لیکن اس کا نفاذ باقی وُرثا کی اجازت اور رضامندی پر موقوف رہے گا۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو نافذ ہو گی ورنہ باطل ہو جائے گی۔ یہ رائے حنفی فقہا کی ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے: لا تجوز الوصية لوارث إلا أن يشاء الوَرثة[۱] (وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں الا یہ کہ [باقی] وُرثا اس کی اجازت دیں)۔

دوسری حدیث میں حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: لا وصية لوارث إلا أن يجيز الورثة[۲] (وارث کے لیے وصیت نہیں سوائے اس کے کہ باقی وُرثا نافذ اور درست قرار دیں)۔

ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت نہیں ہو سکتی، چاہے موصیٰ بہ کی مقدار کچھ بھی ہو، سوائے اس کے کہ باقی وُرثا اجازت دے دیں۔ اگر وہ اجازت نہ دیں تو وصیت باطل ٹھہرے گی اور اگر بعض نے اجازت دے دی اور بعض نے

۱۔ بیہقی، السنن الكبرى، كتاب الوصايا، باب نسخ الوصية للوالدين والأقربين الوارثين، حدیث ۱۲۲۳۰

۲۔ نيل الأوطار ٦: ٤٠؛ بحوالہ دار قطنی، حدیث ۴۲۵۳

Marfat.com

اجازت نہ دی تو صرف انہی کے حصے میں سے ادا کی جائے گی جو اجازت دے دیں اور باقیوں کے حصے میں سے باطل ہو جائے گی۔

لیکن اجازت کے صحیح ہونے کے لیے دو شرطیں پائی جانی ضروری ہیں: ایک یہ کہ اجازت دینے والا وارث عاقل، بالغ ہو، مرض الموت کی حالت میں نہ ہو، اور اچھی طرح جانتا ہو کہ وصیت کس چیز کے بارے میں کی گئی ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اجازت موصی کی وفات کے بعد دی جائے۔ چنانچہ موت کے بعد اگر وُرثا نے یہ کہا کہ ہم اجازت نہیں دیتے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ زندگی میں دی جانے والی اجازت معتبر نہیں۔ اجازت وہی وارث دیں گے جو موصی کی وفات کے وقت وارث ہوں۔ اگر کوئی شخص وصیت کے وقت تو وارث تھا مگر بعد میں کسی وجہ سے وارث نہیں رہا، تو وہ اجازت دینے کا حق دار نہیں، اور اگر وصیت کے وقت وارث نہ تھا مگر موت کے وقت وارث بن گیا ہو تو اجازت دینے کا اہل ہے۔[1]

۳۔ تیسری رائے جعفری اور زیدی فقہا کی ہے، جو یہ ہے کہ وصیت وارث کے لیے بھی ہر صورت میں جائز ہے، چاہے وُرثا اجازت دیں یا نہ دیں۔ ان کا استدلال اس آیت سے ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيرَاۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوٰلِدَينِ وَالاَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگا ہو اور پیچھے مال چھوڑ جائے تو والدین اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کی وصیت کر جائے)۔ وصیت کا صرف واجب ہونا منسوخ ہو گیا ہے، جبکہ وارث کے لیے وصیت کا جائز ہونا ابھی بھی باقی ہے۔[2]

۱۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۴۷- ۵۰

۲۔ ایضاً، ص۴۹

Marfat.com

۷۔ موصیٰ لہ حربی کافر یا مرتد مسلمان نہ ہو

یہ حنفی فقہا کی رائے ہے اور وہ قرآن مجید کی یہ آیت اس کے لیے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ [الممتحنۃ ۶۰: ۹] (اللہ تعالیٰ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے)۔

مال وصیت کے ذریعے حربی کو تقویت اور فائدہ پہنچ سکتا ہے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ مال مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو، اور اس صورت میں مالِ وصیت صدقہ نہیں رہے گا بلکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جائے گا، لہٰذا حربی کافر کے لیے وصیت ناجائز ہوگی۔[1]

اسی طرح احناف کے ہاں مرتد مسلمان کے لیے بھی وصیت ناجائز ہے، لیکن شافعی اور حنبلی مرتد کے لیے وصیت کو درست قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ بھی جائز ہے کہ مسلمان ایسے حربی کے لیے وصیت کرے جس نے اس پر احسان کیا ہو، تاکہ اس کے احسان کا بدلہ اتار سکے۔[2]

اس کے علاوہ یہ حضرات وصیت کو ہدیہ پر قیاس کرتے ہوئے بھی حربی کافر کے لیے وصیت جائز قرار دیتے ہیں اور کافر کے لیے ہدیہ جواز کے حق میں وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں: عن أسماء بنت أبي بكر - رضي الله عنهما - قالت: أتتني أمي راغبة في عهد

۱۔ ایضاً

۲۔ أحكام الوصية، ص ۴۸

Marfat.com

قریش، فسألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آصلھا، قال: نعم* (حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں: میری والدہ جو مسلمان نہیں ہوئی تھیں میرے ہاں آئیں، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میں اس صورت میں اس کی خاطر مدارات کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اپنی ماں کی خاطر مدارت کرو)۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ دار الحرب کے رہنے والوں کو تحفہ اور ہدیہ دینا جائز ہے۔

موصیٰ بہ (Subject Matter) کے شرائط

موصیٰ بہ وہ چیز ہے جس کی بابت موصی وصیت کرتا ہے، اور جو موصی کی ملکیت ہوتی ہے۔ موصی اور موصیٰ لہ کی طرح اس میں بھی صحت ونفاذ کے لیے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

ا۔ موصیٰ بہ ایسا مال ہو جو ملکیت میں لینے کے قابل ہو

اس لیے کہ وصیت نام ہے تملیک کا اور تملیک مال ہی کی ہو سکتی ہے۔ موصیٰ بہ ایسا مال یا چیز ہونی چاہیے جو وراثت میں منتقل ہو سکتی ہو اور اس میں بیع وشرا وغیرہ جیسے معاہدات بھی ہو سکتے ہوں، مثلاً نقدی، روپے، پیسے، سونا، چاندی، گھر، دکانیں، زمین، جانور، لباس، گھر کا سامان وغیرہ۔ اسی طرح ایسا قرض جو موصی کا کسی کے ذمے ہو یا کسی چیز کی منفعت وغیرہ جیسے رہائش کے لیے گھر یا کھیتی باڑی والی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی وغیرہ بھی موصیٰ بہ ہو سکتی ہے۔

چیزوں کی منفعت اگرچہ حنفی فقہا کے نزدیک میراث نہیں بن سکتی، مگر اس کے بارے میں وصیت کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ زندگی میں اگر ان پر عقود ہو سکتے ہیں، تو ان کی

* بیہقی، السنن الکبری، باب صدقۃ النافلۃ علی المشرك ۴: ۱۹۱

Marfat.com

وصیت بھی کی جاسکتی ہے۔ جمہور فقہا کے ہاں منفعت میراث میں بھی منتقل ہوتی ہے، لہٰذا اس کی وصیت بھی جائز ہوگی۔

مال و جائداد کی منفعت کے بارے میں وصیت*

جیسا کہ بیان کیا گیا، جس طرح کوئی شخص اپنے مال کی کسی کے لیے وصیت کر سکتا ہے، اسی طرح مال و جائداد کی منفعت کی وصیت کرنا بھی اس کے لیے جائز ہے۔ مال کی منفعت سے مراد خدمت، گھر کی رہائش اور اس کی آمدن (کرایہ، وغیرہ)، زمین کی آمدن، مثلاً زرعی پیداوار یا اس سے حاصل شدہ رقم، باغوں کی آمدن اور ان کے پھل وغیرہ سے ایک تہائی مال کی وصیت کرنا جائز ہے؛ لیکن ایک تہائی منفعت کا تعین کس طرح ہوگا؟ اس بارے میں فقہا کی دو رائیں ہیں:

حنفی اور مالکی فقہا کے نزدیک اس مال کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہے۔ منفعت کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی منفعت کی وصیت کرے اور ترکہ کے ایک تہائی میں گھر کا صرف آدھا حصہ آتا ہو تو موصیٰ لہ کو آدھے گھر ہی کے منافع مل سکیں گے۔ چاہے مدت انتفاع کچھ بھی ہو۔

حنبلی اور شافعی فقہا کے نزدیک منفعت کا اعتبار کیا جائے گا اور وصیت کے لیے ثلث کا تعین اس طرح ہوگا کہ جتنی مدت کے لیے منفعت حاصل کرنے کی موصی نے اجازت دی ہے، اس مدت کی منفعت کا اندازہ لگایا جائے گا اور اس میں ثلث موصیٰ لہ کا حق ہوگا۔

* حاشية ابن عابدين ١٠: ٣٣٢- ٣٢٨؛ تكلمة فتح القدير ١٠: ٥٢٠- ٥١٨؛ الشرح الكبير ١٧: ٦٦-٣٦٣؛ مغني المحتاج ٦٥٣-٦٤؛ غاية المنتهى ٢: ٣٦٦؛ بدائع الصنائع ٦: ٣٦٢-٣٥٧

Marfat.com

حنبلی فقہا کے ہاں ایسا صرف اس صورت میں ہو گا، جب منفعت کی مدت کا تعین موصی نے کر دیا ہو، لیکن اگر اس مدت کا موصی نے تعین نہ کیا ہو تو اس بارے میں ان کے ہاں دو آرا پائی جاتی ہیں:

ایک رائے حنفیہ اور مالکیہ کے موافق ہے کہ اصل مال (جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہے) کا اندازہ لگایا جائے گا۔ اگر وہ ثلث ہو گا تو موصیٰ لہ اس سے فائدہ اٹھائے گا، لیکن اگر ثلث سے زیادہ ہوا اور وُرثا زائد کی اجازت نہ دیں تو صرف ثلث کے برابر مال کی منفعت سے فائدہ اٹھائے گا۔

منفعت سے فائدہ اٹھانے کے طریقے

منفعت سے فائدہ اٹھانے کے دو طریقے ہیں:

ایک یہ کہ موصیٰ لہ اس منفعت کو کسی اور کو کرائے وغیرہ پر دے دے، یا اگر پھل وغیرہ ہوں تو بیچ دے اور اس کے نفع سے فائدہ اٹھائے۔ دوسرا یہ کہ موصیٰ لہ اس منفعت کو خود اپنے لیے استعمال کرے۔

منفعت سے فائدہ اٹھانا وصیت کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے۔ اگر وصیت میں کسی خاص طریقے سے فائدہ اٹھانے کی قید نہ لگائی گئی ہو تو موصیٰ لہ کو اختیار ہے کہ جیسے چاہے اس سے فائدہ اٹھائے، چاہے تو خود استعمال کرے، مثلاً گھر میں خود رہے اور زمین پر خود کھیتی باڑی کرے اور فصل سے فائدہ اٹھائے یا پھر دونوں کو کرائے پر کسی اور کو دے دے اور خود اس کرایہ سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن اگر موصی نے کسی مخصوص طریقے سے استعمال کی قید لگا دی ہو تو اس بارے میں دو آرا پائی جاتی ہیں:

حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر موصی قید لگا دے کہ اس گھر یا زمین کو موصیٰ لہ خود استعمال کرے، تو اس کے لیے لازم ہے کہ خود ہی استعمال کرے کسی کو کرائے / اجرت پر دینا جائز نہ

Marfat.com

ہو گا۔ لیکن اگر یہ کہے کہ کرائے پر دے یا اس کی اجرت سے فائدہ اٹھائے تو اس صورت میں موصیٰ لہ کے لیے جائز ہو گا کہ دونوں میں سے جس طریقے سے چاہے فائدہ اٹھائے۔

شافعی اور حنبلی فقہا کہتے ہیں کہ موصی لہ کو ہر طرح سے منفعت سے فائدہ اٹھانے کا اختیار ہے۔ چاہے موصی نے قید لگا دی ہو یا نہ لگائی ہو۔

مشترکہ منفعت سے فائدہ اٹھانے کی صورت

اگر منفعت موصیٰ لہ اور موصی کے وُرثا کے مابین مشترک ہو، (مثلاً موصی نے اپنے نصف گھر کی منفعت کے بارے میں وصیت کی) یا منفعت میں دو یا دو سے زائد موصیٰ لہ شریک ہوں تو منفعت کی تقسیم تین طریقوں سے کی جاسکتی ہے۔ یہ تین طریقے درج ذیل ہیں:*

۱۔ منفعت سے حاصل ہونے والی اجرت تقسیم کی جائے۔ مثلاً گھر کرائے پر دیا جائے یا زمین پر کھیتی باڑی کرائی جائے اور جو آمدن حاصل ہو، وہ سب کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔

۲۔ اگر وہ زمین یا گھر وغیرہ جس کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہے تقسیم کیا جاسکتا ہو اور اس میں وُرثا کو کوئی ضرر بھی نہ پہنچے تو اس کو تقسیم کر دیا جائے اور ہر کوئی اپنے حصے کے مال سے جیسے چاہے فائدہ اٹھائے۔

۳۔ مال کو زمانی یا مکانی اعتبار سے باری کے اصول کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

---

* الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۸: ۱۱۶- ۱۱۹، (بحوالہ حسن أحمد الخطیب، الفقہ المقارن، ص ۲۲۱- ۲۳۱؛ عیسوی احمد عیسوی، الوصیۃ، ص ۱۳۰؛ مصطفیٰ السباعی، الوصیۃ، ص ۱۲۶)

Marfat.com

زمانی تقسیم: یہ کہ سارا مال یا چیز جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہے شرکا میں سے ایک شریک کو ایک مدت تک کے لیے دے دی جائے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے پھر اتنی ہی مدت کے لیے دوسرے شریک کو دے دی جائے۔

مکانی تقسیم: یہ کہ مال کو اجزا میں تقسیم کر دیا جائے۔ پھر ہر شریک اپنے جز سے کچھ مدت فائدہ اٹھائے، اس کے بعد تمام شریک اپنے اپنے اجزا آپس میں تبدیل کر لیں۔

لیکن اگر وہ منفعت نا قابل تقسیم ہو اور اس میں باری کے اصول پر عمل ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں شرکا کے لیے اس کی تقسیم قاضی کے اجتہاد پر موقوف ہو گی کہ وہ احکام شریعت کے مطابق اس میں فیصلہ کرے۔

موصیٰ لہ کا منفعت سے فائدہ حاصل نہ کر سکنا

کبھی ایسے اسباب پیش آسکتے ہیں جب موصیٰ لہ منفعت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ایسی صورت میں کیا حکم ہو گا؟

۱۔ جب فائدہ نہ اٹھا سکنے کا سبب موصی کے بعض وُرثا ہوں: ایسی صورت میں شافعی اور حنفی فقہا کہتے ہیں روکنے والے وُرثا موصیٰ لہ کو اس کا معاوضہ دیں گے۔ یہ معاوضہ اتنی مدت کے بدلے ہو گا جس میں وہ منفعت سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہا۔

۲۔ جب فائدہ نہ اٹھا سکنے کا سبب موصی کے تمام وُرثا ہوں: اس صورت میں شافعی فقہا کہتے ہیں کہ موصیٰ لہ کے لیے دو چیزوں میں اختیار ہو گا۔ ایک تو یہ کہ وُرثا سے معاوضے کا مطالبہ کرے۔ دوسرا یہ کہ وہ اس مال کی منفعت سے اتنی ہی مدت فائدہ اٹھائے جتنی مدت وُرثا کے سبب اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا، جبکہ حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اس کے لیے صرف معاوضہ ہے۔ جبکہ اس منفعت کا مزید مدت کے لیے اٹھانا کسی صورت میں بھی صحیح نہ ہو گا۔ کیونکہ جتنی مدت کے لیے وصیت کی گئی تھی وہ مدت ختم ہو چکی ہے۔ اگر فائدہ اٹھا سکنے کا سبب وُرثا نہ ہوں بلکہ کوئی اور سبب ہو اور مدت ختم ہو جائے تو وُرثا سے کچھ بھی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

Marfat.com

منفعت سے متعلق وصیت کی مدت کا ختم ہونا

ایسے اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو ان کی ملکیت وصیت کی مدت کے اعتبار سے ہو گی۔ اگر وصیت میں ان اموال سے فائدہ اٹھانے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی، اور منفعت کی صورت ایسی ہے کہ اس کے ختم ہونے کی امید نہیں ہے تو یہ اموال وقف قرار پائیں گے اور موصیٰ لہ ہمیشہ ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

اگر وصیت ایک مخصوص مدت کے لیے کی گئی ہو یا منفعت کی صورت ایسی ہو کہ وہ ایک خاص مدت کے بعد ختم ہو جائے تو یہ اموال موصی کے وُرثا کی ملکیت ہوں گے اور موصیٰ لہم ان سے مخصوص مدت تک فائدہ اٹھائیں گے جس کے بعد وُرثا ہی ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔

کیا اموال کے مالک کے لیے ان میں تصرف کرنا جائز ہو گا؟

وہ اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو ان میں تصرف کے بارے میں دو آرا پائی جاتی ہیں:

حنفی فقہا کہتے ہیں کہ ان اموال کے مالک کے لیے ان میں از خود تصرف کی اجازت نہیں ہے۔ مثلاً موصیٰ لہ سے اجازت لیے بغیر وہ انہیں بیچ نہیں سکتا اس لیے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور بیچنے کی صورت میں وہ اپنے حق سے محروم ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کی اجازت ضروری ہے۔

جمہور فقہا کی رائے یہ ہے کہ مالک کو ان اموال میں سے ہر طرح سے تصرف کا حق حاصل ہے مگر اس کی منفعت کا حق دار موصی لہ ہی رہے گا۔ چاہے ان اموال کا مالک کوئی بھی بن جائے۔

Marfat.com

وہ اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو ان کا نفقہ کس پر ہوگا؟

حنفی اور حنبلی فقہا کہتے ہیں کہ ان اموال پر جب بھی خرچ کی ضرورت ہوگی وہ موصیٰ لہ ادا کرے گا، اس لیے کہ وہ ہی اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اگر وہ ادا نہ کرے اور مالک ادا کرے تو وہ ان اموال کی منفعت سے اتنا فائدہ اٹھا سکے گا جتنا اس نے خرچ کیا ہو۔ البتہ اگر ان اموال سے کوئی منفعت حاصل نہ ہوتی ہو، مثلاً بنجر زمین وغیرہ تو اس کا خرچہ مالک ہی پر ہوگا۔ شافعی فقہا کی رائے یہ ہے کہ چاہے منفعت حاصل ہو یا نہ اس کا خرچ مالک ہی کو ادا کرنا ہوگا۔*

۲۔ موصیٰ بہ مالِ متقوّم ہو

مال کی شریعت کی رو سے دو قسمیں ہیں:

أ۔ مال متقوّم: ایسا مال جسے ملکیت میں لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا مسلمان کے لیے جائز ہے۔

ب۔ مال غیر متقوم: ایسا مال جسے ملکیت میں لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا مسلمان کے لیے حرام اور کھانا ناجائز ہے، جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ۔

مسلمان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ ایسے مال کی بابت وصیت کرے جو غیر متقوم ہو، نہ ہی کسی غیر مسلم کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی مسلمان کے لیے ایسے مال کی بابت وصیت کرے۔ لیکن غیر مسلم کسی دوسرے غیر مسلم کے لیے ایسی وصیت کر سکتا ہے، کیونکہ ان کے ہاں یہ بھی مال ہی سمجھا جاتا ہے۔

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۹۳- ۹۴

Marfat.com

حنفی فقہا کے ہاں شکاری کتوں اور دوسرے ایسے شکاری جانوروں کی وصیت کرنا جائز ہے، جنہیں انسان اپنے فائدے (یعنی شکار وغیرہ) کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔* اسی طرح شافعی فقہا کے ہاں ایسے مال کی بابت وصیت کرنا بھی جائز ہے جس سے حاصل کیا جانے والا نفع مباح ہو، چاہے وہ مال متقوم نہ ہو، مثلاً شکاری کتا، یا ایسا کتا جو حفاظتی نقطۂ نظر سے رکھا گیا ہے۔

سونے چاندی کے برتنوں کی وصیت کرنا بھی درست ہے، اس لیے کہ اگرچہ ان کا استعمال کرنا تو جائز نہیں ہے، مگر ان سے زیور وغیرہ بنوا کر بیچ کر نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ موصیٰ بہ "تملیک" کے قابل ہو، اگرچہ وصیت کے وقت موجود نہ ہو

یعنی موصیٰ بہ ایسا مال ہو جس کے بارے میں ایسا معاہدہ ہو سکتا ہو جو شرعی طور پر جائز ہو، یا وہ میراث بن سکتا ہو۔

لہٰذا مالِ منقولہ کی بابت وصیت کرنا بھی درست ہے، جیسے سامان اور نقدی وغیرہ، اس لیے کہ بیع وشرا یا ہدیہ اور تحفہ وغیرہ کی صورت میں دوسرا شخص اس کا مالک بن سکتا ہے۔

اسی طرح کسی چیز کی منفعت کی بابت وصیت کرنا بھی درست ہے، جیسے اپنے گھر میں رہائش کی اجازت دینا یا اپنی سواری استعمال کرنے کی اجازت دینا؛ اس لیے کہ کرایہ وغیرہ کے ذریعے عارضی مدت کے لیے ان چیزوں کا مالک بنا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس پھل کے بارے میں بھی وصیت کی جا سکتی ہے جو درختوں پر آئندہ موسم میں لگے گا۔ گائے بکری وغیرہ کے بچے کے بارے میں بھی وصیت کرنا جائز ہے لیکن اگر بچہ وصیت کے وقت اپنی ماں کے بطن میں نہ ہو تو حنفی فقہا کے نزدیک ایسی وصیت جائز نہ ہوگی۔ اس لیے کہ زندگی میں موصی (معدوم ہونے کی وجہ سے) ایسے بچے کی بابت کوئی عقد یا معاہدہ وغیرہ نہیں کر سکتا۔ جبکہ

* بدائع الصنائع ۶: ۳۵۸؛ حاشیة ابن عابدین ۱۰: ۲۹۹، ۳۱۲؛ ابن جُزی، القوانین الفقهیة، ص۴۰۵؛ المغني ۶: ۵۹، ۶۴؛ کشاف القناع ۴: ۴۰۷- ۴۱۸

Marfat.com

جمہور کے ہاں موصیٰ بہ کا موصی کی وفات کے وقت موجود ہونا لازم ہے، چاہے وصیت کے وقت موجود ہو یا نہ ہو۔ لیکن چیزوں کی منفعت کے متعلق یہ شرط نہیں ہے کہ وہ وصیت یا موت کے وقت موجود ہو۔

۴۔ موصیٰ بہ وصیت کے وقت موصِی کی ملکیت میں ہو

یہ شرط اس بنا پر عائد کی گئی ہے کہ انسان کسی کو ایسی چیز کا مالک نہیں بنا سکتا جس کا وہ خود مالک نہ ہو۔ اگر بکر یہ کہے کہ میں زید کے مال کی بابت وصیت کرتا ہوں، تو ایسی وصیت جائز نہ ہوگی کیونکہ وصیت کے وقت وہ زید کے مال کا مالک نہیں تھا، اگر چہ بعد میں زید کا مال اس کی ملکیت میں کیوں نہ آجائے۔ اس لیے کہ یہ صیغہ (وصیت کے الفاظ) درست نہیں۔

۵۔ موصیٰ بہ شرعی طور پر حرام نہ ہو

وصیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان سے زندگی میں جو کمی کوتاہی یا گناہ وغیرہ سرزد ہو گئے ہوں وہ اس کے ذریعے ان کی تلافی کر سکے۔ جبکہ حرام کام کے لیے کی گئی وصیت کی صورت میں ایسا ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ مزید گناہ کا موجب بن جائے گی۔ ایسی وصیت کے بارے میں مختلف فقہی مذاہب میں مختلف مثالیں بیان کی گئی ہیں، جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

حنفی فقہ: ایسی کمائی یا کام کی وصیت کرنا جس کے لیے نوحہ کرنے والی جمع ہوتی ہیں، یا قبر کو پختہ کرنے کے لیے مال کی وصیت کرنا، یا یہ وصیت کرنا کہ میرا مال خرچ کر کے میرے لیے مہنگا کفن خریدا جائے، یا میری قبر پر قرآن پڑھنے والے کو اتنا مال دیا جائے وغیرہ۔ ایسی تمام وصیتیں باطل ہوں گی۔ اسی طرح یہ وصیت کرنا کہ مجھے اپنے گھر میں دفن کیا جائے تو یہ وصیت بھی باطل ہوگی۔*

* الدر المختار ورد المحتار، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸ء، ۱۰: ۳۲۶، ۳۲۷

Marfat.com

مالکی فقہ: مال کی بابت یہ وصیت کرنا کہ اس سے شراب پینے والا شراب خرید سکے، ایسے شخص کو دینا جو کسی کو ناحق قتل کرے، ایسی زمین میں مسجد یا مدرسہ بنانے کی وصیت کرنا جو قبرستان کے لیے وقف ہو، یا کسی کی قبر پر گنبد وغیرہ بنانے کی وصیت کرنا؛ یہ تمام وصیتیں باطل ہوں گی۔ موصیٰ بہ میراث میں داخل ہو جائے گا اور ورثا کو اختیار ہے کہ موصیٰ بہ کو جیسے چاہیں خرچ کریں۔ لیکن حنفی فقہا کے برعکس مالکی فقہا اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ قبر پر قرآن پڑھنے والے کو مال دینے کی وصیت کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح کفن دفن وغیرہ کے اخراجات کے لیے وصیت کرنا بھی درست ہے۔[1]

شافعی فقہ: گرجا گھر کے لیے وصیت کرنا، اہل حرب کے لیے اسلحہ کی وصیت کرنا، یا گناہ کے کاموں کے لیے عمارت کی تعمیر کی وصیت کرنا، جیسے شراب خانے، جوا خانے وغیرہ، آلات موسیقی وغیرہ خریدنے کی وصیت کرنا، جادو ٹونے اور گمراہی، بدعات اور الحاد پھیلانے والی کتابوں کی تیاری اور اشاعت کے لیے رقم کی وصیت کرنا۔ ایسی تمام وصیتیں باطل ٹھہریں گی۔[2]

حنبلی فقہ: ان تمام کاموں پر مال خرچ کرنے کی وصیت کرنا جن سے شریعت میں منع کیا گیا ہے، مثلاً قبروں پر گنبد اور عمارتیں وغیرہ تعمیر کرنا، گرجا گھر یا آتش پرستوں وغیرہ کی عبادت گاہ تعمیر کرنا یا ان پر خرچ کرنا۔ ان تمام صورتوں میں وصیت باطل ہو گی، لیکن مسجد کی تعمیر و مرمت اور اس کے اخراجات کے لیے وصیت کرنا درست ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی تعلیم اور دیگر جائز علوم کی تعلیم کے لیے مال کی وصیت کرنا بھی درست ہے۔[3]

۱۔ الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي ۴: ۴۲۷

۲۔ المهذب ۱: ۴۵۱

۳۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۵۶ (بحواله المغني، كشاف القناع...)

Marfat.com

۶۔ موصی پر اتنا قرض نہ ہو کہ تمام مال ادا کرنے سے ہی ادا ہو

تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلی چیز مرنے والے کا قرض ادا کرنا ہے۔ اگر اس کے بعد مال بچ جائے تو وصیت اور پھر میراث کی تقسیم کی جائے گی۔ چنانچہ اگر سارا مال ہی قرض ادا کرنے کی نذر ہو جائے تو ایسی صورت میں وصیت قابل نفاذ نہیں ہو گی۔ البتہ اگر قرض خواہ وصیت پوری کرنے کی اجازت دے دیں تو وصیت پوری کی جائے گی، ورنہ باطل ہو جائے گی۔[۱] اس کی کچھ تفصیل پیچھے "موصی کے لیے شرائط" کے تحت گزر چکی ہے۔

۷۔ موصیٰ بہ (وصیت) متروکہ مال کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو

علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وصیت مال کے ایک تہائی حصے سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث میں بیان ہوا۔ اگر وصیت ایک تہائی سے زائد ہو تو وہ وُرثا کی اجازت پر موقوف رہے گی (اجازت کا اعتبار کب ہو گا اور کس کی اجازت معتبر ہو گی؟ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے)۔ اس لیے کہ اگر وُرثا موجود ہوں تو ایک تہائی کے سوا باقی مال پر ان کا حق ہو گا، لہٰذا ان سے اجازت لینا ضروری ہو گا۔ لیکن اگر موصی کا کوئی وارث نہ ہو تو کسی کا حق بھی باقی مال پر نہ ہو گا، اس لیے موصی کی پوری وصیت جوں کی توں نافذ ہو گی۔

مالکی اور شافعی فقہا کہتے ہیں کہ وصیت اگر ایک تہائی مال سے زائد ہو اور میت کا کوئی وارث نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اس کا متروکہ مال اب مسلمانوں کی میراث ہے اور مسلمانوں میں سے کوئی اجازت دینے والا نہیں، لہٰذا ایک تہائی سے زائد مال کے بارے میں وصیت باطل ہو گی۔[۲]

۱۔ ایضاً

۲۔ المهذب ۱: ۴۸۰؛ بدائع الصنائع ۷: ۴۳۰؛ الشرح الصغير ۴: ۵۸۶

Marfat.com

بہتر یہی ہے کہ انسان پورے مال کے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرے، چاہے وُرثا مال دار ہوں یانادار۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ موصیٰ بہ ایک تہائی مال سے بھی کم ہو، اس لیے کہ نبی ﷺ نے جب ایک تہائی کی اجازت دی تو فرمایا کہ تہائی بھی زیادہ ہے۔

ایک تہائی مال اور وصیت

اگر موصیٰ لہ ایک سے زائد ہوں اور ایک تہائی ترکہ میں سے تمام وصیتیں پوری نہ ہوسکتی ہوں یا ورثا ایک تہائی سے زائد کی اجازت دے دیں، مگر تمام ترکہ میں سے بھی وصیتیں پوری نہ ہوسکتی ہوں تو ان کا نفاذ کس طرح کیا جائے گا؟

ایسی صورت میں یہ وصیت درج ذیل میں سے کسی ایک صورت کے تحت آسکتی ہے:

۱۔ تمام وصیتیں بندوں کے لیے ہوں، مثلاً: زید، خالد، عمرو غیرہ۔

۲۔ تمام وصیتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں مثلاً: حج کی وصیت / کفارہ کی وصیت وغیرہ۔

۳۔ ان میں سے کچھ بندوں کے لیے اور کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں۔

ایسی وصیتوں کے بارے میں فقہا کی آرا درج ذیل ہیں:*

- **جب وصیتیں صرف بندوں سے تعلق رکھتی ہوں**

جب کوئی شخص مختلف متعین اشخاص کے لیے وصیت کرے، اور یہ وصیت ایک تہائی سے تجاوز کر جائے جبکہ ورثا زائد مال کے بارے میں اجازت تو دے دیں، مگر وصیت ترکے سے بھی زیادہ ہو تو اس صورت میں دو حالتیں ہوں گی:

اَ۔ کوئی وصیت ثلث (ایک تہائی) سے تجاوز نہ کرتی ہو، مثلاً ایک شخص کے لیے چھٹا حصہ، دوسرے کے لیے چوتھائی اور تیسرے کے لیے تہائی ہو۔ اس صورت میں ہر ایک کو

---

* المغني ٨: ٣٣٣-٣٣٤؛ حاشية ابن عابدين ١٠: ٢٩٢

Marfat.com

کل ترکہ کے ثلث میں سے حصہ دیا جائے گا۔ ثلث کو نو پر تقسیم کیا جائے گا۔ پھر پہلے شخص کو دو حصے دوسرے کو تین اور تیسرے کو چار حصے دیے جائیں گے۔

ب۔ ایک ثلث سے زائد ہو۔ مثلاً ایک شخص کے لیے ایک تہائی اور دوسرے کے لیے آدھے مال کی وصیت ہو۔ اس صورت میں فقہا کے ہاں دو آرا پائی جاتی ہیں:

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ترکہ کا ایک تہائی دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے گا، اس لیے کہ اگر وصیت ثلث سے زائد ہو جائے اور وُرثا اس کی اجازت نہ دیں تو زائد مقدار باطل ہو جائے گی، لہٰذا اب دونوں وصیتیں ثلث میں سے ہوں گی اور ترکہ کا ثلث دونوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف، امام محمد اور باقی ائمہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی تقسیم اسی طرح ہو گی جس طرح پہلی صورت میں ہوئی، یعنی ترکہ کا ایک تہائی دونوں کے حصے کے مطابق ان میں تقسیم کیا جائے گا اس طرح کہ ایک ثلث میں سے ثلث پائے گا اور دوسرا نصف۔

- جب تمام وصیتیں اللہ تعالیٰ کے لیے کی گئی ہوں

ایسی وصیتوں کی تین صورتیں ہوں گی:

ا۔ یا تو وہ تمام ایک ہی درجہ کی ہوں گی، مثلاً تمام فرائض ہوں گے جیسے حج / زکاۃ وغیرہ۔

۲۔ یا وہ سب کی سب مختلف درجوں کی ہوں گی، مثلاً فرض، واجب، سنت وغیرہ۔

۳۔ یا ان میں سے کچھ ایک درجے کی کچھ دوسرے درجے کی ہوں گی، مثلاً دو سنت دو فرض۔

اگر یہ سب ایک ہی درجے کی ہوں، جیسے ساری ہی فرض یا ساری ہی واجب یا ساری ہی سنت ہوں، تو امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک پہلے وہ پوری کی جائیں جن کا میت نے پہلے ذکر کیا ہو۔ مثلاً یہ کہا کہ حج اور زکاۃ تو پہلے وہ ادا کی جائے گی۔ یا یہ کہا کہ زکاۃ اور روزے کا کفارہ تو پہلے

Marfat.com

زکاۃ ادا کی جائے گی۔* اور اگر مختلف رتبوں / درجوں کی ہوں تو پہلے فرض پھر واجب اور پھر سنت وصیتیں ادا کی جائیں گی۔

- **جب کچھ وصیتیں اللہ کے لیے اور کچھ بندوں کے لیے ہوں**

اس صورت میں ثلث کو مساوی طور پر تمام وصیتوں کے مابین تقسیم کیا جائے گا، مثلاً حج، زکاۃ، کفارے اور زید کے لیے وصیت کی، تو اس میں سے چوتھائی حصہ حج کے لیے، چوتھائی زکاۃ کے لیے چوتھائی کفارے کے لیے اور چوتھائی زید کے لیے ہوگا۔ جبکہ امام ابویوسف اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ اگر وُرثا ایک تہائی مال سے زائد میں وصیت کی تنفیذ کی اجازت نہ دیں تو ایک تہائی مال ہی کو ہر ایک کے حصے کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، مثلاً اگر کسی نے دو وصیتیں کیں: ایک کے لیے نصف مال اور دوسرے کے لیے ایک تہائی کی، تو ترکہ میں سے ایک تہائی مال الگ کر کے اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، ان میں سے پہلے کو تین اور دوسرے کو دو حصے ملیں گے۔

* البنایۃ ۱۳: ۴۵۸

Marfat.com

Marfat.com

باب ۵

وصیت کے باطل ہونے کے اسباب

وصیت کچھ اسباب ووجوہات کی بنا پر باطل ہو جاتی ہے۔ یہ اسباب یا تو موصی کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں یا موصیٰ لہ کی طرف سے یا پھر موصیٰ بہ میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:*

۱۔ موصی کو جنون طاری ہو جانا

حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر موصی کو جنون لاحق ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، اگرچہ وہ موت سے پہلے صحت یاب ہو جائے۔ ایسا جنون جو وصیت کو باطل کر دیتا ہے، اس کی مدت امام ابویوسف کے ہاں ایک ماہ سے زیادہ رہنے والا جُنون ہے، جبکہ امام محمد کہتے ہیں کہ وصیت کو وہ جنون باطل کرتا ہے جو ایک سال یا اس سے زائد عرصے تک جاری رہے۔ لیکن اگر جنون ایک ماہ سے کم (امام ابویوسف کی رائے کے مطابق) یا ایک سال سے کم (امام محمد کی رائے کے مطابق) جاری رہے تو وصیت باطل نہ ہوگی۔

جبکہ جمہور فقہا کی رائے میں جنون سے وصیت باطل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ تملیک کا اہل ہونا معاہدے کے انعقاد کے وقت مطلوب ہے۔ اگر بعد میں یہ اہلیت کسی وجہ سے زائل ہو جائے تو معاہدہ پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

---

* البدائع ۷: ۳۹۴؛ الشرح الصغیر ۴: ۵۸۴- ۵۸۷؛ مغني المحتاج ۳: ۳۹، ۷۱ وما بعد؛ کشاف القناع ۴: ۳۱۸؛ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۱۱۱ومابعد

Marfat.com

۲۔ موصی کا مرتد ہو جانا

حنفی، شافعی اور مالکی فقہا کے ہاں موصی کے مرتد ہو جانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ مالکی فقہا کہتے ہیں کہ وصیت موصیٰ لہ کے مرتد ہو جانے سے بھی باطل ہو جاتی ہے۔ حنبلی فقہا کے ہاں مرتد کی وصیت درست ہے۔

۳۔ وصیت کا پورا نہ ہونا

اگر موصی نے وصیت کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا اور وہ شرط پوری نہ ہوئی تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں اس مرض میں وفات پا جاؤں یا فلاں شہر یا فلاں سفر میں مر جاؤں، تو فلاں کے لیے میرے مال میں سے اتنا حصہ ہے۔ پھر وہ اس مرض یا اس شہر یا اس سفر میں نہ مرا تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ شرط پوری نہ ہوئی۔

۴۔ وصیت سے رجوع

فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ وصیت سے رجوع کر لینے سے یہ باطل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ عقدِ لازم نہیں اور اس کا نفاذ موصی کی موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا موصی کے ایجاب سے موصیٰ لہ کا کوئی حق اس کے مال میں ثابت نہیں ہو سکتا جب تک وہ قبول نہ کرے، اور قبول موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے، چنانچہ موصی کو اختیار ہے کہ وصیت کو باقی رہنے دے یا باطل کر دے۔

فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ وصیت ایک ایسا معاملہ یا معاہدہ ہے جس میں تغیر و تبدل بھی ہو سکتا ہے اور اس سے رجوع بھی کیا جا سکتا ہے۔[۱] نیز موصی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ زندگی میں کسی بھی وقت وہ اپنی وصیت کے کسی بھی حصے یا تمام وصیت سے رجوع کر لے،

۱۔ فتح القدیر ۱۰: ۴۶۹

Marfat.com

چاہے اس نے وصیت تن درستی کی حالت میں کی ہو یا بیماری میں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یغیّر الرجل ما شاء من وصیته* (انسان اپنی وصیت میں جو چاہے تبدیلی کر سکتا ہے)۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وصیت تحفہ یا ہدیہ ہے، جو کہ ابھی دیا نہیں گیا بلکہ موت کے بعد پورا ہوگا۔ لہٰذا اس کے پورا ہونے سے قبل اس میں ترمیم و اضافہ کرنا یا اسے ختم کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح وصیت ایجاب ہے جو کہ قبول سے ہی موصیٰ لہ کی ملکیت میں آتا ہے۔ لہٰذا اگر قبول سے قبل ایجاب کو باطل کر دیا جائے تو ایسا کرنا جائز ہے، جیسا کہ بیع و شرا میں ہوتا ہے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہو کہ قبول موصی کی وفات کے بعد ہی معتبر ہوتا ہے۔

رجوع کی درج ذیل دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ رجوع صراحۃً ہو۔ مثلاً زبان سے کہے: میں فلاں کے لیے کی گئی اپنی وصیت سے دست بردار ہوتا ہوں، رجوع کرتا ہوں / چھوڑتا ہوں، باطل کرتا ہوں، یا وہ مال جس کی میں نے فلاں کے لیے وصیت کی تھی وہ اب میرے ورثا کا ہے۔ یہ سب باتیں وصیت سے صراحۃً رجوع شمار ہوں گی۔

اگر یہ کہے: میں فلاں کے لیے کی گئی اپنی وصیت پر نادم ہوں، یا میں نے بہت جلد بازی کی، یا ہر وہ وصیت جو میں نے فلاں کے لیے کی حرام ہے۔ یہ سب باتیں وصیت سے رجوع نہیں سمجھی جائیں گی۔

۲۔ وصیت سے رجوع کی دوسری صورت دلالۃً ہو گی۔ یعنی موصیٰ بہ میں کوئی ایسا تصرف کرے جس سے یہ سمجھا جائے کہ موصی نے وصیت سے رجوع کر لیا ہے۔ یہ تصرف دو قسم کا ہو سکتا ہے:

* ابن ابی شیبہ، المصنف، کتاب الوصایا، باب الرجل یوصي بالوصیة، ثم یرید أن یغیرها، حدیث ۴۴۹۲؛ المغنی، کتاب الوصایا، فصل الوصیة لرجل بمعین والرجوع عنه ۶: ۵۱۶

Marfat.com

أ۔ ہر ایسا تصرف جو موصیٰ بہ سے موصی کی ملکیت کو ختم کردے۔ مثلاً موصیٰ بہ کو فروخت کردینا، ہبہ کردینا، صدقہ کردینا یا مہر وغیرہ کے طور پر دے دینا۔ اگر موصیٰ بہ موصی کی ملکیت بن جائے تو اس صورت میں کیا وہ دوبارہ موصیٰ بہ تصور کیا جائے گا؟ اس بارے میں دو آرا ہیں۔ جمہور کی رائے میں ایسا ہونے سے یہ مال موصیٰ بہ تصور نہیں کیا جائے گا؛ جبکہ مالکی فقہا کی رائے میں اگر ایسا ہوگیا تو وصیت دوبارہ سے بحال ہوجائے گی۔

ب۔ ایسا تصرف جو وصیت سے رجوع پر دلالت کرے۔ یہ دو قسم کا ہوسکتا ہے: ایک وہ جس پر فقہا کا اتفاق ہے کہ یہ رجوع پر دلالت کرتا ہے، اور وہ ہے موصیٰ بہ کا خرچ یا ختم ہوجانا۔ مثلاً موصیٰ بہ جانور کو ذبح کردینا، موصیٰ بہ کا کپاس سے کپڑا بُن لینا؛ یعنی ایسا تصرف جو موصیٰ بہ کی حقیقت کو بدل دے اور وہ کوئی اور چیز بن جائے۔ چاہے یہ تصرف از خود رونما ہوجائے یا موصی کی جانب سے واقع ہو۔

دوسرا تصرف وہ ہے جس میں فقہا کا اختلاف ہے کہ وہ اس سے رجوع سمجھا جائے گا یا نہیں۔ وہ یہ ہے کہ موصیٰ بہ میں کوئی ایسا تصرف واقع ہو کہ اس کے بغیر موصیٰ بہ موصیٰ لہ کے سپرد نہ کیا جاسکتا ہو۔ مثلاً کپڑے کو رنگ دینا، زمین پر گھر بنالینا یا درخت وغیرہ اگا دینا یا آٹے کا گھی وغیرہ کے ساتھ مل جانا۔*

جمہور کہتے ہیں کہ تصرف کی یہ قسم رجوع پر ہی دلالت کرتی ہے؛ جبکہ مالکی فقہا کے ہاں ایسا تصرف اس وقت تک رجوع نہیں سمجھا جائے گا، جب تک کوئی اور چیز اس بات پر دلالت نہ کرے کہ ایسا کرنے سے موصی کا مقصد وصیت سے رجوع تھا۔ مالکی فقہا موصیٰ بہ میں تصرف کرنے کو وصیت سے رجوع کے معنیٰ میں نہیں لیتے، الا یہ کہ موصیٰ بہ میں اس قدر تبدیلی آجائے کہ اصل باقی نہ رہے، یا وہ مکمل طور پر خرچ ہوجائے یا کوئی ایسا قرینہ موجود ہو

* بدائع الصنائع ٦: ٥١٥

Marfat.com

جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ موصی کا اس فعل سے مقصد وصیت سے رجوع کرنا تھا۔ البتہ صریح قول کے بارے میں ان کی رائے وہی ہے جو جمہور کی ہے۔ لیکن اگر موصی نے موصیٰ بہ میں زیادتی یا کمی کی تو اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس نے وصیت سے رجوع کر لیا ہے۔

شافعی اور حنبلی فقہا کے ہاں موصیٰ بہ مکان کو منہدم کر دینا وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا۔

فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر موصیٰ بہ کسی چیز کے ساتھ اس طرح ملا دیا گیا کہ اس کی شناخت اور اصل حیثیت اور حقیقت باقی رہی تو یہ وصیت سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔

حنفی فقہا میں سے امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اگر موصی نے وصیت سے انکار کر دیا، مثلاً یہ کہا کہ میں نے وصیت نہیں کی تو یہ بھی رجوع ہی سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ انکار اس کے راضی نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا انکار سے رجوع ہی مراد لیا جائے گا۔ جبکہ امام محمدؒ اور شافعی اور حنبلی فقہا کے ہاں محض انکار وصیت سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ وصیت معاہدہ ہے اور معاہدے انکار سے باطل نہیں ہوتے۔ صاحب ہدایہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔*

۵۔ وصیت کو رد کر دینا

اگر موصیٰ لہ موصی کی وفات کے بعد موصیٰ بہ کو قبول کرنے سے انکار کر دے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہے کہ میں اس وصیت کو رد کرتا ہوں، میں اس کو قبول نہیں کرتا، تو یہ مال موصی کے وُرثا کا ہو جائے گا۔

۶۔ موصی سے قبل موصیٰ لہ کی وفات

اگر موصیٰ لہ موصی سے قبل ہی وفات پا جائے تو چاروں ائمہ کی رائے یہی ہے کہ وصیت باطل ہو جائے گی، چاہے موصی کو موصیٰ لہ کی وفات کا علم ہو یا نہ ہو۔ حنفی فقہا کے

---

* الفقه الإسلامي وأدلته ٨: ٢٠

Marfat.com

علاوہ باقی فقہا کے نزدیک وصیت اس صورت میں بھی باطل ہو جائے گی جب موصیٰ لہ موصی کی موت کے بعد قبول سے پہلے وفات پا جائے۔[۱]

۷۔ موصیٰ لہ کا موصی کو قتل کر دینا

حنفی اور حنبلی فقہا کے نزدیک قاتل کے حق میں وصیت باطل ہو جاتی ہے، چاہے قتل کا ارتکاب وصیت سے قبل ہو یا بعد میں۔ حتیٰ کہ اگر ورثا اجازت دے دیں (کہ وصیت نافذ کی جائے) تب بھی قاتل وصیت سے محروم رہے گا۔[۲] حنبلی فقہا کے ہاں ورثا کی اجازت کا ذکر نہیں ملتا، نیز ان کے ہاں مختلف اقوال ملتے ہیں۔[۳] اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۸۔ موصیٰ بہ کا ہلاک یا ختم ہو جانا

اگر موصیٰ بہ موصیٰ لہ کے قبول سے پہلے ہلاک یا خرچ یا ختم ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً کسی نے جانور کے بارے میں وصیت کی مگر وہ جانور ہلاک یا ختم ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ موصیٰ بہ نہ رہا۔ اسی طرح کسی نے کسی چیز کے کچھ حصے کے بارے میں وصیت کی پھر یہ حصہ ختم ہو گیا، تو بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً آدھے گھر کے بارے میں وصیت کی، پھر وہ آدھا حصہ منہدم ہو گیا، یا یہ وصیت کی کہ میرے جانوروں میں سے فلاں فلاں جانور فلاں کو دیے جائیں، پھر وہ جانور مر گئے تو ان تمام صورتوں میں وصیت باطل ہو جائے گی۔

۱۔ المغنی ۸: ۴۱۵-۴۱۶

۲۔ الهداية مع شرحه البناية، دار الكتب العلمية، بيروت (۲۰۰۰)، ۱۳: ۳۹۵-۳۹۷؛ الشرح الكبير والإنصاف والمقنع، وزارت اسلامی امور سعودی عرب، ۱۹۹۸م، ۱۷: ۳۰۰- ۳۰۳

۳۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۱۱۵

Marfat.com

باب ۶

احکام موصیٰ الیہ (وصی)[1]

EXECUTOR/ ADMINISTRATOR

وصی کی تعریف

موصیٰ الیہ یا وصی عموماً اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو موصی اپنے فوت ہونے کے بعد وصیت کے تحت اپنے ترکہ میں تصرفات کا حق عطا کرے۔ اگر موصی نے کوئی وصی مقرر نہ کیا ہو تو عدالت کو اس امر کا اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی جانب سے ترکہ کے انتظام و انصرام کے لیے کسی موزوں شخص کو وصی مقرر کر دے۔[2] اصطلاحاً موصی کا مقرر کردہ شخص 'وصی اصلی' یا 'وصی موصی' اور عدالت کا مقرر کردہ وصی 'وصی قاضی' کہلاتا ہے۔[3]

وصی مقرر کرنے کے لیے الفاظ

کسی کو وصی مقرر کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی خاص لفظ کے ذریعہ وصی بنایا جائے بلکہ ہر ایسے لفظ سے وصی مقرر کرنا صحیح ہوگا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس کو موصی نے اپنی وفات کے بعد اپنے ترکے میں تصرف کا اور اپنی اولاد و اقارب کے حقوق ادا کرنے کے لیے وصی مقرر کیا ہے، مثلاً یہ کہے کہ میری موت کے بعد تم میرے وکیل ہو۔ یا میں نے اپنی اولاد کی نگرانی اپنے فوت ہونے کے بعد آپ کے سپرد کر دی، آپ میرے وصی ہوں گے، میرے مرنے کے بعد میری اولاد کی آپ حفاظت و نگرانی کریں اور ان کے لوازمات زندگی کا مہیا کرنا آپ کے سپرد ہوگا۔

۱۔ وصی سے متعلق زیادہ تر احکام ڈاکٹر تنزیل الرحمن کی کتاب مجموعہ قوانین اسلام جلد چہارم سے لیے گئے ہیں۔

۲۔ ابن نجیم، البحر الرائق ۸: ۵۸-۴۵۷

۳۔ ایضاً، ص ۴۵۸

Marfat.com

جس طرح وصی مقرر کرنے کے لیے مخصوص الفاظ کا ادا کرنا ضروری نہیں اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ وصی صراحت کے ساتھ یہ ذمہ داری قبول کرے بلکہ اس کی طرف سے دلالۃً قبول کرنا بھی معتبر مانا جائے گا۔

وصی کا قبول یا رد کرنا

جب کسی شخص کو وصی مقرر کیا گیا اور اس نے موصی کی حیات میں اس وصیت کو موصی کے علم میں لا کر قبول کر لیا اور موصی کی موت تک اپنے اس قبول پر قائم رہا تو اب اس کا وصی ہونا اس کے ذمے لازم ہو جائے گا، اور موصی کی موت کے بعد اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے سبکدوش نہ کر سکے گا، الا یہ کہ یا تو موصی نے وصیت کے وقت بذات خود یہ شرط عائد کر دی ہو کہ وصی اپنے آپ کو معزول اور وصیت کی ذمہ داری سے سبکدوش کر سکے گا، یا یہ کہ خود وصی نے قبول کے وقت اس شرط پر قبول کیا ہو۔

اگر وصی نے قبول کرنے کے بعد رد کیا تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: اول یہ کہ جس طرح موصی کے علم میں لا کر قبول کیا تھا اسی طرح علم میں لا کر رد کر دے تو یہ رد کرنا صحیح ہو گا اور وہ موصی کی موت کے بعد بحیثیت وصی کوئی تصرف نہ کر سکے گا۔ اور اگر موصی کے علم کے بغیر رد کیا، یہاں تک موصی کی موت واقع ہو گئی اور اس کو رد کا علم نہ ہوا تو ایسی صورت میں اس کا رد کرنا صحیح نہ ہو گا۔

اگر وصی نے موصی کی زندگی میں قبول کرنے یا رد کرنے سے سکوت اختیار کیا حتی کہ موصی کا انتقال ہو گیا تو موصی کی موت کے بعد وصی کو قبول کرنے یا رد کرنے کا اختیار ہو گا۔ قبول کرنے کی صورت میں اس پر منصب وصایت کی تمام ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی، ورنہ

Marfat.com

نہیں؛ لیکن رد کرنے کی صورت میں حکم حاکم کی ضرورت ہو گی، تاکہ میت کے وُرثا کو اس کے رد کرنے سے جو ضرر پہنچتا ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔[1]

کس کو وصی مقرر کیا جاسکتا ہے؟

انسان کو اپنی حیات میں اپنے مال میں جس طرح تصرف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اسی طرح یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ یہ حق اپنی وفات کے بعد کسی دوسرے کو منتقل کر دے، خواہ یہ دوسرا شخص اجنبی ہو یا موصی سے کسی قسم کا رشتہ رکھتا ہو، مرد ہو یا عورت، بشر طیکہ وہ ان صفات سے متصف ہو جو شرعاً وصی میں موجود ہونی چاہییں۔ چنانچہ ایک شخص اپنی اولاد کے حق میں اپنی زوجہ کو وصی مقرر کر سکتا ہے۔

وصی مقرر کرنے میں وارث ہونے یا نہ ہونے کی کوئی قید نہیں۔ چنانچہ اگر ایک شخص کا بیٹا اور حقیقی بھائی یا علاتی بھائی موجود ہو اور یہ شخص بیٹے کو چھوڑ کر بھائی کو وصی مقرر کر دے تو یہ تقرر صحیح ہو گا۔ اسی طرح مذکورہ صورت میں اگر بیٹے کی جگہ بیٹی ہو تب بھی بھائی کو وصی مقرر کرنا صحیح ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ کسی بھی باشعور مسلمان مرد یا عورت کو جو موصی کا وارث ہو یا نہ ہو وصی مقرر کیا جاسکتا ہے۔ البتہ وصی کے لیے بلوغت اور فاسق نہ ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں، اس بارے میں ان کے ہاں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ مالکی اور شافعی فقہا بلوغت اور شافعی فقہا عدالت کو وصی کے لیے شرط قرار دیتے ہیں۔[2]

وصی کی اقسام اور اختیار

وصی کا تقرر یا تو مطلق ہو گا یا مقید۔ اگر وصی کو عام طور پر یعنی بصورت اطلاق وصی مقرر کیا گیا ہو، مثلاً کہا گیا ہو کہ میں نے فلاں شخص کو، یا تم کو اپنے ہر قسم کے ترکہ میں ہر قسم

۱۔ فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ دیو بند ۴: ۲۴۷

۲۔ زید الابیانی، الأحكام الشرعية في الاحوال الشخصية، مطبوعہ مصر، ۱۹۲۰ء، ۲: ۴۱

Marfat.com

کے تصرف کرنے کا وصی بنایا ہے یا بنادیا یا تم کو وصی قائم کیا یا تم میرے وصی ہو، ایسی صورت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ وصی ہر قسم کے تصرف کا مالک ہو گا۔

اگر وصی کے تصرفات کو مقید کر دیا گیا، مثلاً ترکے کے مخصوص مال میں تصرف کا حق دیا گیا یا ترکے کے مال کو کسی خاص مد میں مثلاً اجارے پر دینے یا تجارت میں لگانے کے لیے مخصوص کر دیا گیا تو اس حالت میں دیکھا جائے گا کہ وصی کا تقرر کرنے والا کون ہے خود موصی ہے یا حاکم عدالت۔

اگر عدالت نے یہ تقرر کیا ہے تو ایسی صورت میں جن مخصوص امور یا اموال میں اس کو تصرف کا حق دیا ہے، حنفی فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وصی ان مخصوص امور یا اموال ہی میں تصرف کا حق رکھے گا اور اسے اس سے تجاوز کرنے کا حق نہ ہو گا، لیکن اگر موصی نے مذکورہ طریقے پر وصی مقرر کیا ہے تو یہ وصی امام ابو حنیفہ کے نزدیک عام تصرفات کا مالک ہو گا اور مذکورہ امور میں سے کسی امر کے ساتھ مقید نہ ہو گا۔ امام محمد کے نزدیک اس کا حکم بھی وہی ہو گا جو حاکم وقت کے وصی کا ہے یعنی اس کے تصرفات بھی مخصوص اور مقید ہوں گے۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی بنیاد پر فقہا نے تفریق کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ حاکم کا وصی مقرر کرنا ایسے شخص کا وصی مقرر کرنا ہے جس کی ولایت قضا خود مقید ہو سکتی ہے (یا ہوتی ہے) لہٰذا اس کے مقرر کیے ہوئے شخص کا تصرف بھی اسی درجے کا ہو گا۔ بخلاف وصی موصی کے، کیونکہ وہ موصی کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح موصی اپنی حیات میں آزاد تھا اسی طرح اس کا وصی بھی ہر تصرف میں آزاد ہو گا۔ بالفاظ دیگر حاکم کا مقرر کردہ وصی وکیل کی مثل ہوتا ہے جبکہ موصی کا مقرر کردہ وصی اصیل کے درجے میں ہوتا ہے۔

وصی کے تقرر میں بعض قیود معتبر قرار دی گئی ہیں، مثلاً ایک شخص یہ وصیت کرے کہ فلاں شخص کے واپس آنے تک فلاں شخص میرا وصی رہے گا، تو ظاہر الروایۃ کے مطابق اس شخص کے آنے پر موجود وصی معزول ہو جائے گا اور آنے والا اس کی جگہ وصی قرار

Marfat.com

پائے گا کیونکہ وصی بنانا یا تو وکیل بنانا ہے یا نائب مقرر کرنا اور یہ دونوں امر مطلق یا مقید ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص اپنے نابالغ بچے کے حق میں یہ کہے کہ بالغ ہونے کے بعد میرا وصی ہوگا اور اس وقت تک فلاں شخص وصی رہے گا تو بچے کے بالغ ہونے کے بعد اول شخص معزول ہو جائے گا اور یہ شرط معتبر ہوگی۔ *

وصی کی معزولی

تمام فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موصی کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ اپنے مقرر کردہ وصی کو کسی بھی وقت منصب وصایت سے معزول کر دے۔ البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وصی کو اس کی معزولی کا علم ہو۔

کیا عدالت کو وصی کو معزول کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس سلسلے میں وصی کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا وہ جو عادل ہو اور وصیت کیے گئے تمام امور سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ایسے وصی کے بارے میں فقہا کا کہنا ہے کہ عدالت اس کو بلا کسی شرعی عذر کے معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ البتہ اگر عدالت نے ایسے وصی کو معزول کر دیا تو اس کا یہ فعل ظلم کہلائے گا، لیکن کیا وصی معزول سمجھا جائے گا۔ اس بارے میں حنفی فقہا کے ہاں دو قول ہیں۔

دوسری قسم کا وصی وہ ہے جو عادل ہوتا تو ہے لیکن منصب وصایت کے امور مکمل طور پر سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ایسے وصی کو حاکم معزول نہیں کر سکتا، البتہ ان امور کی تکمیل کی خاطر اپنی طرف سے ایک اور شخص امین کا اضافہ کر دے گا جو اس کی کمی کو پورا کرے گا۔ لیکن وصی اگر وصیت کے امور انجام دینے سے بالکل ہی قاصر ہو تو پھر عدالت کو اس کے تبدیل کرنے کا اختیار ہوگا کیونکہ مصلحت اسی میں ہے۔

* البحر الرائق ۸: ۴۵۷

Marfat.com

تیسری قسم کا وصی وہ ہے جو فاسق اور خائن ہو جس سے میت کے مال کے حق میں خطرہ لاحق ہو تو ایسی صورت میں عدالت کے لیے ضروری ہے کہ اس کو معزول کر کے کسی عادل شخص کو اس کی جگہ وصی مقرر کر دے۔

منصبِ وصایت کا ختم ہونا

بعض صورتوں میں منصب وصایت ایک خاص مدت کے بعد خود بخود ہی ختم ہو جاتا ہے، جیسے اگر وصی ایک خاص مدت کے لیے متعین کیا گیا ہو تو اس مدت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی منصب وصایت ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وصی کو کسی خاص کام کے لیے مقرر کیا گیا ہو تو اس کام کی تکمیل ہوتے ہی اس کا منصب ختم ہو جائے گا۔

تمام فقہا کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ وصی کی وفات کی صورت میں یا اس سے متعلقہ ضروری شرائط میں سے کسی شرط کے فوت ہونے کی صورت میں منصب وصایت ختم ہو جاتا ہے۔ اگر وصی نے منصب وصایت قبول کرنے کے بعد خود ہی اپنے آپ کو معزول کر لیا تو شافعی اور حنبلی فقہا کے نزدیک اس کا منصب ختم ہو جائے گا جبکہ باقی فقہا کے نزدیک اس کے لیے ایسا کرنا بغیر کسی شرعی عذر کے درست نہیں ہو گا۔

وصی کا حق اجرت

وصی کی حیثیت وکیل کی طرح ہے، چنانچہ جس طرح وکیل اپنی ذمہ داری کا معاوضہ لے سکتا ہے اسی طرح وصی بھی ذمہ داری ادا کرنے کا معاوضہ لے سکتا ہے۔ اس بات پر فقہا میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر وصی ضرورت مند ہے تو پھر وہ منصب وصایت کے معاوضہ کا حق دار ہے۔ البتہ وصی ضرورت مند نہیں تو پھر اس کے معاوضہ لینے پر فقہا میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

Marfat.com

حنفی فقہا کے نزدیک راجح رائے کے مطابق وصی کو کوئی اجرت نہیں دی جاتی، لیکن بطور استحسان وہ مالِ یتیم سے بقدر ضرورت لے سکتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء۴:۶] (جو محتاج ہو، وہ معروف طریق پر کھا سکتا ہے)۔ البتہ اگر قاضی کسی کو مروجہ اجرت پر وصی مقرر کرے تو جائز ہے۔

حنبلی فقہا کے نزدیک موصی اور حاکم و قاضی وکالت کی طرح وصی کا بھی معاوضہ مقرر کر سکتا ہے۔*

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۴۶ (بحوالہ الدر المختار ورد المحتار، کشاف القناع)

Marfat.com

Marfat.com

اہم مصادر و مراجع

- ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲ء؛ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸ء
- ابن قدامہ، ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاہرۃ، قاہرہ، ۱۹۶۸ء
- ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی، السنن، دار احیاء الکتب العربیۃ، بیروت،
- ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، قاہرہ، ۱۹۶۸
- ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق، السنن، المکتبۃ العصریۃ، بیروت
- ابو زہرہ، أحکام الترکات والمواریث، دار الفکر العربی، قاہرہ
- احمد بن محمد بن حنبل، ابو عبد اللہ، المسند، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۹۸ء
- بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۸۷ء
- ترمذی، محمد بن عیسی بن سورۃ بن موسی، السنن، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۷۵ء
- تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۷۷ء
- جرجانی، سید شریف، الشریفیۃ شرح السراجیۃ فی الفرائض، قاہرہ، ۱۹۴۴ء
- درادکہ، د۔ یاسین احمد ابراہیم، المیراث فی الشریعۃ الإسلامیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۰ء
- ربانی (مولانا) محمد خلیل اللہ، اصول وراثت ترکہ، خیرپور میرس، ۱۹۹۱ء
- زحیلی، ڈاکٹر وہبہ، الفقہ الإسلامی وأدلتہ، دار الفکر، دمشق، طبع دوم، ۱۹۸۵ء، ط ۸، ۲۰۰۹ء
- سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت
- سید شوکت علی، تقسیم میراث، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور
- شفیع، مفتی محمد، جواہر الفقہ، مکتبہ دار العلوم، کراچی، ۱۹۹۹ء

Marfat.com

- صابونی، محمد علی، المواريث في الشريعة الإسلامية على ضوء الكتاب والسنة، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۸۵ء
- طبرانی، ابو قاسم سلیمان بن احمد، المعجم الأوسط، دار الحرمین، قاہرہ، ۱۴۱۵ھ
- عبدالستار حامد، الدکتور، أحكام الوصية (سلسلة أحكام الأسرة في الفقه الإسلامي)، جامعہ بغداد، ۱۹۸۶ء
- عثمانی، مفتی محمد تقی، عدالتی فیصلے، ادارہ اسلامیات، کراچی / لاہور، مارچ ۲۰۰۰ء
- عطیہ، ابو الیقظان، حكم الميراث في الشريعة الإسلاميه، دار حنین؛ مکتبۃ الفلاح، اردن۔الکویت، ۱۹۹۵ء
- عیسوی، عیسوی احمد، الوصية في الشريعة الإسلامية، دار التالیف، قاہرہ ۱۹۵۶ء
- فرضی، ابراہیم بن عبداللہ بن ابراہیم (م ۱۱۸۹ھ)، العذب الفائض شرح عمدة الفارض، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۹ء
- مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت
- الموسوعة الفقهية، وزارت اوقاف واسلامی امور، کویت ۱۹۸۲ء
- مودودی، سید ابو الاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
- میاں اصغر حسین، مفید الوارثین، ادارہ اسلامیات، لاہور
- ندوی، مجیب اللہ، اسلامی فقہ، پروگریسو بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء
- نسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، السنن، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، ۱۹۸۶ء
- ویمن ایڈ ٹرسٹ، پاکستان، وراثت کی تقسیم۔کیا، کیوں اور کیسے؟، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء
- The Islamic Law of Inheritance, Hamid Khan, Oxford University Press Pakistan, 2007
- Farishta v Federation of Pakistan. (PLD 1980) Peshawar
- Allah Rakha v Federation of Pakistan, PLD 2000 Federal Shariat Court

Marfat.com